کتب سماوی
پر
ایک نظر

کتب سماوی پر ایک نظر

سید ذوقی شاہ

کُتبِ سماوی

پر ایک نظر

از

سید ذوقی شاہ
(حیدر آباد دکن)

اقبال اکیڈیمی
۵۴۔ سرکلر روڈ۔ بیرون موچی دروازہ لاہور

قیمت ۱۲؍ Rs 10.00
محصول ڈاک ۳؍

سلسلۂ مطبوعات اقبال اکیڈمی

اقبال پر ایک نظر۔ چند بلند پایہ تنقیدی اور تشریحی مضامین کا مجموعہ۔ عا/۸

شرحِ اسرارِ خودی۔ پروفیسر محمد یوسف خاں سلیم چشتی بی اے۔ عہ/۸

تعلیماتِ اقبال۔ 〃 〃 〃 ۔ عہ/۸

اقبال اور پیامِ حریت۔ 〃 〃 〃 ۔ ۸/

اقبال کا تصورِ زمان و مکان ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی ایم اے پی ایچ ڈی ۱۰/

موت و حیات اقبال کے کلام میں 〃 〃 〃 ۔ ۴/

تعلیم کا مسئلہ۔ 〃 〃 〃 ۔ عہ/۸

اقبال کے چند جواہر ریزے۔ پروفیسر خواجہ عبد الحمید ایم اے ۔ ۱۰/

یادِ اقبال۔ مرتبہ چودھری غلام سرور فگار۔ عہ/۸

حقیقتِ نفاق۔ مرتبہ مولانا صدر الدین اصلاحی۔ عہ/۸

افاداتِ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی۔ 〃 〃 ۔ عہ/۸

اسلام اور وطنیت۔ 〃 〃 ۔ عہ/۱

معرکۂ اسلام و جاہلیت۔ 〃 〃 ۔ عہ/۸

محمد عبدہٗ۔ مفتی محمد عبدہٗ مصری کے سبق آموز حالات ۔ عہ/

کُتبِ سماوی پر ایک نظر

توریت و انجیل پر ایک تاریخی اور ناقدانہ نظر
موجودہ توریت و انجیل کی تعلیمات کا اسلامی تعلیمات سے موازنہ
مسلمانوں کے لئے دیدۂ عبرت کھولنے کا مقام

از

مولانا سیّد ذوقی شاہ صاحب

اقبال اکیڈمی

۵۴ (الف) - سرکلر روڈ - بیرون موچی دروازہ لاہو

ت دو روپے بارہ آنے

محصولڈاک ۳ر



مطبوعہ اتحاد پریس بل روڈ۔ لاہور
وشائع کردہ سیّد محمد شاہ ایم اے از دفتر اقبال اکیڈمی
۴۵ (الف) سرکلر روڈ۔ بیرون موچی دروازہ لاہور

Rs ..00



فہرستِ مضامین

کلمۃ للناشر

رسالہ ترجمان القرآن جب حیدر آباد دکن سے مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے زیر ادارت شائع ہُوا کرتا تھا تو مولانا سید ذوقی شاہ صاحب نے ایک نہایت عالمانہ و محققانہ مضمون اس موضوع پر تحریر فرمایا تھا کہ جن کتابوں کو منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ ہے وہ حقیقت میں منزل من اللہ ہیں بھی یا نہیں اور اگر ہیں تو کیا آج بھی وہ اپنی اصلی اور ابتدائی صورت میں محفوظ ہیں؟

یہ سوال اس قدر اہم اور ضروری ہے کہ اہل علم کو اس پر بہت تحقیق کرنے کی ضرورت تھی مگر افسوس ہے کہ اُردو زبان میں ایسی تحقیقات کا سرمایہ بہت ہی کم ہے بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے

قابل صد مبارک باد ہیں مولانا سید ذوقی شاہ صاحب جنہوں نے سالہا سال کی عرقریزی کے بعد ایک ایسا عالمانہ و محققانہ کارنامہ پیش کیا ہے جس کی نظیر اُردو زبان میں ہرگز نہیں۔ آپ نے ضمناً ایسے مباحث کو چھیڑ دیا ہے جن کا مطالعہ مسلمانوں کی چشمِ عبرت کو کھول دے گا مضمون کی افادیت اور احباب کے تقاضا کے پیش نظر رسالہ ترجمان القرآن سے یہ مضمون لے کر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ایڈیٹر رسالہ مذکور کی اجازت حاصل کئے بغیر شائع کر رہا ہوں۔

اُمید ہے کہ مولانا اور اُن کے موجودہ رفقاء میری اس جُرات کو نگاہِ نفرت سے نہ دیکھیں گے

وما توفیقی الا باللہ العظیم۔

مُحمّد شاہ

مہتمم اقبال اکیڈمی۔ لاہور

طاہر عباس اعوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتب سماوی پر ایک نظر

مقدمہ

دہریت اور لامذہبی کے اس دورِ تاریک میں اللہ کے فضل و کرم سے اب بھی ایسے لوگ اس دنیا میں بکثرت موجود ہیں جو ہستی حق تعالیٰ کے قائل، ضرورت مذہب کے معترف اور کُتب سماوی کے منزل من اللہ ہونے کے معتقد ہیں مگر اس طبقۂ مذہبی کے وہ لوگ جو اپنے آبائی یا ملکی مذہب کی رسمیا بالتقلید اکورانہ پابندی پر قانع رہنا پسند نہیں کرتے بلکہ ذاتی تحقیقات سے مذاہب مختلفہ کا مطالعہ و مقابلہ کرکے مذہب حقہ کی تلاش کے درپئے رہتے ہیں اس تحقیقات کی اشد ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ جن صحف سماوی کو منزل من اللہ ہونے کا دعوےٰ ہے وہ اپنے اس دعوے میں کس حد تک صادق ہیں۔ اس تحقیقات کے لئے عقل سلیم مندرجہ ذیل امور قابل غور قرار دیتی ہے۔

۱۔ جس کتاب کو منزل من اللہ ہونے کا دعوٰی ہے وہ حقیقت میں منزل من اللہ ہے بھی یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی صورت و کیفیت نزول کیا تھی اور وہ کب اور کس پر نازل ہوئی؟

۲۔ آج بھی وہ اپنی اصلی اور ابتدائی صورت میں محفوظ ہے یا اُس میں لوگوں کی جانب سے ترمیمات و تنسیخات و تغیرات و تبدلات و تحریفات لفظی و معنوی نے دخل پاکر کلام اصلی کی صورت کو بدل ڈالا ہے؟

۳۔ آیا اُس کتاب کی تعلیمات سے اُس کے منزل من اللہ ہونے کی تائید ہوتی ہے اور وہ تعلیمات واضح، صاف، اور بنی نوع انسان کے لئے مفید اور کافی بھی ہیں یا نہیں؟ مندرجہ بالا معیار سے ہم اُن مشہور و معروف کتابوں پر ایک تنقیدی نظر ڈالتے ہیں جن کی بابت منزل من اللہ ہونے کا کسی نہ کسی طبقہ میں دعوٰی کیا جاتا ہے

بائبل

سب سے پہلے ہم بائبل کو لیتے ہیں جو علمائے نصاریٰ کے نزدیک مجموعہ ہے اُن صحائف کا جو انبیائے بنی اسرائیل پر نازل ہوئے یہ مجموعہ مشتمل ہے عہد عتیق اور عہد جدید پر۔ عہد عتیق میں توریت اور وہ دیگر کتب بھی شامل ہیں جو قبل مسیح علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل پر نازل ہوئیں۔ عہد جدید میں اناجیل اربعہ اور ان کے ساتھ حواریین کے اعمال، خطوط اور مکاشفات بھی شامل ہیں۔

مسلمان توریت، زبور، انجیل اور دیگر انبیاء کے صحیفوں کو کلام الٰہی اور منزل من اللہ تسلیم کرتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ توریت موسیٰ علیہ السلام پر۔ زبور داؤد علیہ السلام پر اور انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی مگر جس قرآن کی رو سے اُنہوں نے ان کتابوں کا کلام الٰہی ہونا جانا اُسی قرآن کی رو سے ان پر یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ بعد میں ان میں تحریفات واقع ہوئیں اور یہ اپنی ابتدائی اور اصلی صورت میں محفوظ نہیں۔

غیر مسلم مذہبی طبقہ کے لئے البتہ اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ پہلے ان کتابوں پر تحقیقی نظر ڈالیں، ان کی سرگزشت سنیں ان کے ساتھ خود اہل کتاب اور اغیار نے جو سلوک کیا اس کی تفتیش کریں، ان کتابوں کے مضامین پر غور و خوض کریں، پھر کوئی رائے ان کے متعلق قائم کریں،

عہد عتیق

موجودہ عہد عتیق میں انتالیس (۳۹) کتابیں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ سترہ [۱۷] کتابیں ایسی بھی ہیں جو کسی زمانہ میں عہد عتیق میں شامل تھیں مگر اب ان کا کہیں پتہ نہیں گو ان کے حوالے موجودہ بائبل میں اب بھی موجود ہیں تیئیس کتابیں ایسی بھی ہیں جو کسی زمانہ میں بائبل کے اس حصہ میں شامل تھیں مگر اب علمائے اہل کتاب نے انہیں جعلی قرار دیکر عہد عتیق سے خارج کر دیا ہے بعض کے نزدیک پچپن [۵۵] کتابیں ایسی ہیں۔ جو کسی زمانہ میں عہد عتیق میں شامل تھیں۔ مگر اب اس مجموعہ سے خارج ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل سے بعد میں بحث کی جائے گی۔ سر دست اُن خارجی واقعات پر نظر ڈالی جاتی ہے جو اب تک بائیبل کے ساتھ پیش آچکے ہیں۔

سرگذشت توریت سب مسیحیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ توریت پندرہ سو برس قبل مسیح لکھی گئی جو تمام وکمال ایک جلد میں تھی۔ لیکن بقول علمائے عیسوی جب بہتر (۷۲) علما نے ۲۸۴ء قبل مسیح میں توریت کا ترجمہ عبرانی سے یونانی زبان میں کیا تو اس ایک کتاب کو پانچ مختلف کتابوں میں تقسیم کردیا:۔

(۱) پیدائش۔ (۲) خروج (۳) احبار۔ (۴) گنتی۔ (۵) استثنا۔ باب و آیات کی تفصیل مسیح کے بارہ سو چالیس (۱۲۴۰) سال بعد کارڈنل ہوگو نے کی۔ مگر یہ تقسیم کامل نہیں۔ کیونکہ کہیں کہیں معانی کے لحاظ سے اس تفصیل میں ربط باہمی نظر نہیں آتا اور اسی بنا پر طالب علموں کو عیسائی معلمین کی جانب سے ہدایت کی جاتی ہے کہ ان کتابوں کو پڑھیں تو اپنے کو آیات کی قید میں مقید نہ رکھیں بلکہ ہر بات کو حقیقی معنی و ربط کے مطابق دریافت کریں۔ اس کی تفصیل آگے چل کر آئے گی کہ علمائے یہود و نصاریٰ نے خود توریت کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور کن کن شکلوں اور صورتوں میں اُسے تبدیل کیا۔ یہاں ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ قدرت نے اس کتاب کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور خارجی مصیبتیں اس پر کیا کیا نازل ہوئیں۔ متعدد بار توریت کے لکھے ہوئے نسخوں پر ایسی ایسی شدید آسمانی بلائیں نازل ہوئیں کہ یہ کتاب بار بار گم ہوگئی اور مدت ہائے دراز تک لوگوں کی نظروں سے مخفی رہی۔ ذرا تفصیل سنئیے!

توریت کی پہلی بربادی بقول مسیحی مصنفین کے توریت کی پہلی گم شدگی ۶۹۸ء قبل مسیح بادشاہ منسّی کے عہد میں ہوئی (دیکھو "احوال کتاب مقدس" حصہ اول۔ باب ۴۸۔ صفحہ ۱۱۷ مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء) تقریباً پچھتر (۷۵) برس کی مفقود الخبری کے بعد ۶۲۳ء قبل مسیح بادشاہ یوسیاہ کے عہد میں کاہنوں کے سردار خلقیاہ نے اچانک اعلان کیا کہ اس نے ہیکل یروشلم میں توریت کی کتاب پائی جس وقت بادشاہ نے اس کتاب کو پڑھوایا تو گھبرا کر اپنے کپڑے پھاڑ دیئے (دیکھو دوم سلاطین باب ۲۲۔ آیات ۸ تا ۱۱)۔

اگرچہ عیسائی مصنفین توریت کی پہلی بار گم ہونے کا زمانہ عہد منسّی کو قرار دیتے ہیں مگر بائبل سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ کیونکہ منسّی نے اگر اپنی بدکاری اور بت پرستی کے دور میں توریت کو غائب کیا بھی ہوتا تو وہ تائب ہونے کے بعد اسے ضرور ظاہر کر دیتا۔ اور اس کے تائب ہونے کی تشریح بائبل میں موجود ہے (دیکھو دوم تاریخ باب ۳۲) صحیح تر تحقیقات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ۹۷۱ء قبل مسیح رحبعام شاہ یہود کی سلطنت کے پانچویں سال سیسق شاہ مصر نے جب یروشلم پر چڑھائی کی اور ہیکل اور یہودی بادشاہ کے گھر کو لوٹا اس وقت توریت ضائع ہوئی۔ اس حساب سے تین سو برس تک توریت غائب رہی۔ (دیکھو اوّل سلاطین باب ۱۴ آیات ۲۵ و ۲۶)

بہر حال توریت لوگوں سے ۷۴ یا ۷۵ برس غائب رہی ہو یا قریب ۳۰۰ برس کے۔ اس میں شک نہیں کہ جب کاہنوں کے سردار خلقیاہ نے اس کے دوبارہ ہاتھ آنے کا اعلان کیا تو قوم میں اس وقت ایک بھی شخص ایسا نہ تھا جو مضامین توریت سے آگاہ ہوتا اور اس امر کی تصدیق کر سکتا کہ اصلی توریت ہاتھ آئی ہے یا کوئی اور کتاب جو غلطی سے توریت سمجھ لی گئی۔ اس نتیجہ پر آنے کے متعدد اور نہایت قوی وجوہ موجود ہیں۔

اگلے زمانہ میں فن طباعت ایجاد نہ ہوا تھا۔ نہ کاغذ کا وجود تھا۔ پتھر، سیسے یا لکڑی کے تختوں پر عبارتیں کندہ کی جاتی تھیں۔ کلدانی اور بابلی مٹی کی تختیاں بنالی جاتی تھیں اور اُن پر ایک قسم کا رنگ پھیر کر انہیں آگ میں پکا لیا جاتا تھا۔ کالڈیا بابل نینوا اور مصر میں لوگ انہیں الواح پر شاہی فرامین قوانین سلطنت اور مختلف علوم و فنون کے متعلق معلومات لکھ لیا کرتے تھے۔ مصریوں نے نیستان وادی نیل کی ایک خاص قسم کی نے کے مغز سے ایک کاغذ تیار کیا تھا جسے وہ "پاپائرس" کہتے تھے۔ مصر، شام اور یونان میں اسی کاغذ پر کتابیں لکھی جانے لگیں لیکن جب مصریوں نے اس کاغذ کا اپنے ملک سے ممالک غیر کے لئے نکاس بند کر دیا۔ تو ممالک غیر کے باشندوں نے چمڑے کو صاف کر کے اس پر لکھنا شروع کیا۔ اس قسم کے چمڑے کو "پارچمنٹ" کہتے ہیں۔ ولادت مسیح سے ایک صدی قبل تک "پارچمنٹ" کا رواج رہا۔ اور صحائف اسی پر لکھے جانے لگے۔ لیکن چونکہ یہ کاغذ قیمتی ہوتا تھا جدید نسخوں کی تحریر کے لئے اکثر قدیم نسخے چھیل ڈالے جاتے تھے

یا پرانی روشنائی کو دھو کر جدید تحریر کے لئے چرمی کاغذ صاف کر لیا جاتا تھا۔ اس کے بعد خس کی اصلی ایجاد ہوئی۔ آٹھویں صدی عیسوی میں روئی اور ریشم کا کاغذ تیار ہونے لگا۔ تیرھویں صدی عیسوی میں کپڑے سے کاغذ بنایا گیا۔ ابتدائی زمانہ میں کتابیں کاغذ کے ایک ہی طرف لکھی جاتی تھیں اور لپیٹ کر رکھی جاتی تھیں۔ جن کے کھولنے کے لئے بڑی سی جگہ کی ضرورت ہوتی تھی۔ بعد میں مربع اوراق پر دو طرفہ لکھنے کی رسم جاری ہوئی ہے۔ لوہے کے ڈھلے ہوئے حروف کے ذریعہ طباعت کا فن یورپ میں پندرھویں صدی عیسوی کے وسط میں ایجاد ہوا۔ اور پتھر کی چھپائی یعنی لیتھوگرافی اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں ایجاد ہوئی۔

مندرجہ بالا حالات کی بنا پر اگلے زمانہ میں کتابوں کا لکھنا اور انہیں حفاظت سے رکھنا بہ نسبت زمانہ حال کے بہت ہی زیادہ دشوار تھا۔ کتابوں کی نقلوں کی وہ کثرت نہ تھی جو آج کل دیکھنے میں آتی ہے۔ ہر کتاب کے نسخے بہت ہی محدود ہوتے تھے۔ اور وہ بھی بڑی دقت سے تیار کئے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ توریت کے نسخوں کی بھی اس زمانہ میں وہ کثرت نہیں ہو سکتی۔ جو آج کل طباعت کی آسانیوں کی بدولت بائیبل کے نسخوں کی نظر آرہی ہے۔ خود بائیبل کے مضامین توریت کے نسخوں کی اس زمانہ میں انتہائی قلت پر دلالت کرتے ہیں جو بات یقینی طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے یہ ہے کہ صرف ہیکل میں ایک نسخہ توریت کا رہتا تھا۔ اور تمام بنی اسرائیل وہیں آکر اسے سن لیا کرتے تھے اور وہ بھی ہر سال نہیں بلکہ سات سال کے بعد توریت سب کو سنائی جاتی تھی (دیکھو استثناء باب ۳۱۔ آیات از ۹ تا ۱۳ و ۲۶ نحمیاہ باب ۸)

توریت کے نہ حافظوں کا وجود تھا نہ اس کی کثرت تلاوت کا بنی اسرائیل کو ذوق، نہ اس ذوق کا کوئی سامان، بنی اسرائیل کے عام لوگوں کی شرارت اور فتنہ پردازی سے موسیٰ علیہ السلام خوب اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے توریت کا نسخہ اپنے جانشین یوشع علیہ السلام کو دیا تھا اور فرما دیا تھا کہ اسے ہر ساتویں برس لوگوں کو سنا دیا کریں۔ استثناء باب ۱۷۔ آیت ۱۸ میں یہ بھی لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل کا ہر بادشاہ توریت کی ایک نقل اپنے پاس رکھا کرے مگر اس حکم کی تعمیل

جاری نہ رہی یا جاری نہ رہ سکی۔ یوشع علیہ السلام کے بعد اکثر اسرائیلی بادشاہ اور امرا بت پرست بن گئے کاہن شراب خور ہو گئے۔ اور ساری قوم شدید بدکاری میں مبتلا ہو گئی۔ بلکہ بائبل کے بعض مقامات میں تو معاذ اللہ انبیائے بنی اسرائیل کی بھی شان میں ایسے اتہامات اور گستاخانہ کلمات پائے جاتے ہیں جن سے کوئی مسلمان اتفاق نہیں کر سکتا۔ بہرحال بحیثیت مجموعی قوم بنی اسرائیل کی بے ہودگیاں اور بدکاریاں اس حد تک پہنچ گئیں تھیں کہ قوم سے توریت کی حفاظت نہ ہو سکی اور توریت کا کوئی نسخہ نہ ہیکل میں محفوظ رہ سکا۔ نہ بادشاہ کے پاس چنانچہ جب کاہنوں کے سردار خلقیاہ نے توریت کا نسخہ یوسیاہ بادشاہ کے سامنے پیش کیا تو بادشاہ اور ساری قوم کے لوگ مضامین توریت سے اتنے ناواقف تھے کہ مدت کی کھوئی ہوئی توریت کے مضامین سن کر سب کے سب گھبرا گئے اور بادشاہ نے بدحواسی میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ "تعلیم الایمان" مطبوعہ امریکن مشن عیسائیوں کی ایک مستند کتاب ہے جسے پادری روڈلف صاحب نے اپنے اہتمام سے عیسائی عالم و بزرگ ڈاکٹر جان مکڈول صاحب کی انگریزی زبان میں تصنیف کردہ کتاب سے اردو میں ترجمہ کرایا ہے اس کتاب کے صفحہ ۱۹ اور ۲۰ پر صراحت سے یہ ذکر موجود ہے کہ:۔

"منسی اور امون بت پرست بادشاہوں کے عہد میں بائبل کی نقلوں کی اس قدر قلت ہو گئی کہ یوسیاہ بادشاہ نے اپنے سن جلوس کے اٹھارہویں برس تک اس کی ایک جلد بھی نہ دیکھی"

جب واقعات یہ تھے تو کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ خلقیاہ نے جس کتاب کو پیش کیا وہ حقیقتاً توریت ہی تھی۔ شریعت موسوی کی رو سے بھی اس تصدیق کے لئے کم از کم دو یا تین گواہوں کی ضرورت تھی (دیکھو استثناء باب ۱۹۔ آیتہ ۱۵) یا تو دو تین شخص ایسے ہوتے جو توریت کے حافظ ہوتے اور گواہی دیتے کہ خلقیاہ کی لائی ہوئی کتاب اصلی توریت سے مطابقت رکھتی ہے یا دو تین گواہ ایسے ہوتے جن کے سامنے خلقیاہ کو وہ کتاب اس طور سے ہاتھ آتی کہ اس کی صداقت میں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہ رہتی۔

یہاں یہ مسئلہ بھی غور طلب ہے کہ دشمنوں کی برباد کی ہوئی کتاب ۵۷ یا قریب ۳۰۰ برس کے بعد خلقیاہ کے ہاتھ کیونکر آ گئی۔ اگر کسی خیر خواہ نے اسے دشمنوں کے ہاتھ سے محفوظ رکھنے کی غرض سے چھپا رکھا تھا۔ تو وہ اسے اپنے گھر میں رکھتا نہ یہ کہ ہیکل میں کہیں ادھر اُدھر پھینک دیتا۔ وہ اتنی مدت تک سلامت رہتی۔ اگر بت پرست بادشاہوں نے اُسے کینہ سے چھپانا چاہا تھا تو اس کا جلا دینا آسان تر تھا بہ نسبت اُسے زمین میں دفن کر دینے کے۔ اگر زمین ہی میں دفن کیا تھا۔ جیسا کہ اکثر عیسائی مصنفوں کا خیال ہے۔ تو اتنی مدت تک زمین میں دفن کی ہوئی چیز بالخصوص ایک کتاب خاک کیوں نہ ہو گئی اگر ساری کتاب نہیں تو چند اوراق ہی اس کے بوسیدہ اور ضائع ہو گئے ہوتے۔ مگر تعجب تو یہ ہے کہ اس مدت دراز تک کتاب کے بے احتیاط اور نامعلوم طور پر پڑے رہنے کے بعد بھی اس کے ایک لفظ کے جاتے رہنے کا بھی اہل کتاب اقرار نہیں کرتے۔ اگر زمین میں اُسے دفن نہیں کیا گیا بلکہ بے پروائی کے ساتھ اُسے ہیکل میں کہیں ڈال دیا گیا تھا تو ہیکل کا ایسا کونسا مقام تھا جہاں سالہائے دراز تک وہ کتاب محفوظ پڑی رہی، اور ہیکل کے سینکڑوں ہزاروں خدمتگاروں نے اسے نہ دیکھا۔

ان جملہ اُمور پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوتا ہے کہ خلقیاہ کی پیدا کردہ توریت موسیٰ علیہ السلام کی توریت نہ تھی۔ یہ توریت کی پہلی بربادی کا قصہ ہے۔

توریت کی دوسری بربادی تقریباً چھ سو برس قبل ولادت مسیح بخت نصر تاجدار بابل نے سلطنت یہود پر حملہ کیا۔ یہودیوں کو بے رحمی سے تہ تیغ کیا۔ جو قتل سے بچے انہیں قید کر کے لے گیا۔ اور بابل میں اسیر رکھا۔ زندہ یہودیوں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو اس اسیری سے بچ رہا ہو۔ یرمیاہ باب ۴۴ میں اس واقعہ کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے:-

"رب الافواج اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تم نے یہ ساری بلائیں جو میں نے یروشلم اور یہوواہ کے سارے شہروں پر نازل کیں دیکھیں اور دیکھو وے آج کے دن ویران ہیں اور ان میں ایک بسنے والا بھی نہیں!"

دوم تواریخ باب ۳۶ میں یہی واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :-

"لیکن انہوں نے خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھے میں اڑایا۔ اور اس کی باتوں کو ناچیز جانا اور اس کے نبیوں سے بدسلوکی کی یہاں تک کہ خداوند کا غضب اپنے لوگوں پر ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا تب وہ کسدیوں کے بادشاہ کو ان پر چڑھا لایا۔ اس نے ان کے مقدس گھر میں ان کے جوانوں کو تلوار سے مار ڈالا۔ اور اس نے نہ کنوارے پر نہ کنواری پر اور نہ بوڑھوں پر بلکہ اس پر بھی جو بہت بوڑھا تھا۔ رحم نہ کیا۔ خدا نے سب اس کے قابو میں کر دیا۔ اور وہ خدا کے گھر کے سارے چھوٹے بڑے باسنوں کو اور خدا کے گھر کے خزانے کو اور بادشاہ کے اور اس کے امیروں کے خزانے کو سب کے سب بابل لے گیا۔ اور انہوں نے خدا کے گھر کو جلا دیا۔ اور یروسلم کی دیوار کو ڈھا دیا۔ اور اس کے سارے محلوں کو آگ سے جلا دیا۔ اور اس کی ساری قیمتی چیزوں کو برباد کیا۔ اور وہ انہیں جو تلوار سے بچے بابل کو اسیر کر کے لے گیا۔ اور وہاں وے اس کے اور اس کے بیٹوں کے غلام رہے جب تک کہ فارس کی سلطنت شروع نہ ہوئی"

یہ لوگ ستر (۷۰) برس بابل میں اسیر رہے۔ جب وہاں سے آزاد ہوئے تو اپنی مادری زبان تک بھول چکے تھے اور کلدانی زبان کے علاوہ جو رواج بابل میں رائج تھی کسی دوسری زبان سے آشنا نہ تھے۔

اس تباہی کا وقوع ۶۰۰ سنہ قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے اس سے قبل خلقیاہ کی پیش کردہ توریت کا نسخہ عبادت خانہ میں رہتا تھا۔ مگر جب بخت نصر نے ہیکل کو لوٹا اور جلایا تو وہ نسخہ بھی ضائع ہو گیا۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے بابل سے واپس آنے کے بعد توریت کی تالیف جدید کی ضرورت پیش آئی اور بقول عیسائی علماء کے عزرا کاہن نے صدر مجلس کے مشورہ سے قریب ۴۵۰ سنہ قبل مسیح جدید توریت کو مرتب کرنا شروع کیا۔ توریت کی اس دوسری بربادی سے تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد جب از سر نو کتاب کی تیاری شروع ہوئی تو کتاب تیار کرنے والوں نے کچھ اپنے حافظہ پر اعتماد کر کے کچھ دوسروں کی زبانی بیان پر بھروسہ کر کے جو کچھ فراہم ہو سکا اس سے توریت کو

ایک تصنیف جدید کی صورت میں لکھنا شروع کردیا۔ اس وقت اگر توریت کا ایک نسخہ بھی کہیں سے ہاتھ آگیا ہوتا تو اس کی نقل بآسانی ہوسکتی تھی۔ تصنیف جدید کے طور پر اسے لکھنے کی ضرورت لاحق نہ ہوتی یہ توریت کی دوسری بربادی کا قصہ ہے۔

اسی اسیری بابل کے زمانہ سے یا اس سے بھی پیشتر سے عہدنامے کا وہ صندوق بھی توریت کی طرح گم اور لاپتہ ہے۔ جس میں وہ لوحیں جو جناب الٰہی نے موسیٰ علیہ السلام کو لکھدیں تھیں اور من کا ایک مرتبان اور ہارون علیہ السلام کا عصا جس میں شاخیں پھوٹتی تھیں اور دیگر تبرکات رہتے تھے اور جسے بنی اسرائیل اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے بلکہ توریت کا گم ہونا عہدنامے کے صندوق کے گم ہونے سے بھی قبل سے ثابت ہے۔

توریت کی تیسری بربادی | ولادت مسیح سے ایک سو ستر برس قبل انطاکیہ کے یونانی بادشاہ انٹیوکس نے یہودیوں کے مذہب اور ان کی جداگانہ قومیت کو مٹانے کی غرض سے یروشلم پر بار بار حملے کئے ہیکل کو بے حرمت کیا۔ مقدس صحیفوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلایا۔ یہودیوں کو بت پرستی پر مجبور کیا جس نے بت پرستی کی رسوم سیکھنے سے انکار کیا اسے بڑی اذیت سے قتل کیا۔ جن لوگوں نے بادشاہ کے اعلان کو نہ مانا۔ ان میں سے جتنے گرفتار ہوئے قتل کئے گئے۔ یکدفعہ چالیس ہزار یہودی قتل ہوئے اور اتنے ہی غلام بناکر فروخت کئے گئے۔ ہیکل کا قیمتی نفیس اسباب جس کی قیمت کا تخمینا چار کروڑ انسٹھ لاکھ ساٹھ ہزار کیا گیا ہے لوٹ لیا گیا۔ بادشاہ انٹیوکس کے سپہ سالار اپولونیوس نے ایک مرتبہ یوم السبت کو جب کہ سب یہودی عبادت کے لئے ہیکل میں جمع تھے قتل عام شروع کردیا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کے سوا جو پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ یا غاروں میں جا چھپے کوئی سلامت نہ بچا۔ اس موقع پر فوجی سپاہیوں نے سارے شہر کا مال لوٹ لیا۔ اور متعدد مقامات پر آگ لگادی۔ عالیشان عمارات کو توڑ کر اور شہر پناہ کی دیوار کو گرا کر کوہ عکرہ پر ایک مضبوط قلعہ بنایا گیا۔ اور اس پر جو سپاہ متعین ہوئے انہیں یہ حکم

دیا گیا کہ جو لوگ ہیکل میں عبادت کے لئے آنے کی جرأت کریں اُنہیں بیدریغ جان سے مار دیا جائے۔ اس کے بعد بادشاہ نے ہیکل کو جوپیٹر کا مندر بنا دیا۔ اور اُس دیوتا کی سنگین مورت کو سوختنی قربانی کے مذبح پر کھڑا کیا۔ (دیکھو عیسائی تصنیف "مفتاح الکتاب" مطبوعہ مرزاپور سنہ ۱۸۵۶ء صفحہ ۱۳۴ و صفحہ ۱۳۵۔

متعدد عیسائی مورخین نے اس بات کی تصدیق کی ہے۔ کہ اینٹوکس نے یروشلم کو فتح کر کے عہد عتیق کے جس قدر نسخے اسے دستیاب ہوئے انہیں پھاڑ کر جلا ڈالا۔ اور حکم دیدیا کہ جس کے پاس اس کتاب کا کوئی نسخہ نکلے یا جو شخص رسم شریعت کو بجا لائے وہ قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ اس کی تعمیل ماہانہ تفتیش کے بعد برابر ہوتی رہی۔

یہ تیسری بربادی ہے جو کہ توریت بلکہ جملہ کتب عہد عتیق کی وقوع میں آئی۔ اس فتنے کے فرو ہونے کے بعد جب یہوداہ مقابیین نے سنہ ۱۶۵ قبل مسیح میں ہیکل کی مرمت شروع کی اُس وقت اُس نے توریت وغیرہ کی ایک نقل کسی نہ کسی طرح پیدا کر کے ہیکل میں رکھی۔

توریت کی چوتھی بربادی

سنہ ۷۰ء میں طیطس (ٹائٹس) شہزادہ روم نے یروشلم کو فتح کر کے غارت کر دیا۔ ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا گیا۔ بارہ لاکھ یہودیوں کو قتل کر ڈالا۔ ہزاروں کو غلام بنا کر فروخت کر دیا۔ تخمینہ ہے کہ کل تیرہ لاکھ ستاون ہزار چھ سو ساٹھ (۱۳۵۷۶۶۰) یہودی اس بلائے عظیم کا شکار ہوئے اور توریت تو ایسی بے نام و نشان ہو گئی کہ اب تک اہل کتاب کو یہ گمان ہے کہ اسے دارالسلطنت روم میں پہنچا دیا گیا۔ لیکن یہ گمان ہی گمان ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں کیونکہ جب ہیکل کی آتشزدگی کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ اور لاکھوں مقتولوں کے خون کا سیلاب انسانی ہوش و حواس کو بہائے لیے جاتا تھا۔ اور حرب و ضرب نے شور قیامت برپا رکھا تھا۔ اُس وقت اتنی فرصت کسے تھی۔ جو اُس دہکتی ہوئی آگ کے شعلوں میں سے ایک کتاب کو بچا نکالتا۔ پادری مریک "کشف الاسا

فی "قصص الانبیائے بنی اسرائیل" مطبوعہ ایڈن برگ سنہ ۱۸۴۶ء کے صفحہ ۵۱ پر لکھتے ہیں کہ ہیکل کی اس آگ میں چھ ہزار آدمی جل کر ہلاک ہوئے۔ پادری اسکاٹ صاحب اپنی رومن تفسیر کے صفحہ ۱۸۵ پر لکھتے ہیں کہ:-

لڑائی سے پیشتر طیطس نے چاہا کہ اس کو (یعنی شہر کو) اور خاص کر ہیکل کو بچائے اور اس لئے یوسف مؤرخ کو کئی بار یہودیوں کے پاس بھیجا کہ اپنی بغاوت کو چھوڑو اور شہر میرے قبضہ میں کر دو میں تم کو معاف کر دوں گا اور تمہارا شہر غارت نہ ہوگا۔ مگر یہودیوں نے اس گھمنڈ پر بھروسہ کر کے کہ خدا ہماری طرف ہے اور ہماری شہر پناہ بھی مضبوط ہے۔ اُس کی نہ سنی اور یہاں تک بڑی جانفشانی اور ہمت سے اس کا مقابلہ کیا کہ جب شہر اُس کے قبضہ میں آیا تب رومی سپاہ بہت غصہ ہو کر رک نہ سکی۔ اور شہر میں پھیل کر مرد و عورت سبھوں کو مار ڈالا اور گھروں میں آگ لگا دی۔ پھر یہودی لوگ جو پناہ کے لئے ہیکل میں بھاگ گئے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ کچھ نہ بچیگا۔ تب آپ کئی برآمدوں میں آگ لگا دی۔ اُس وقت رومی فوج حملہ کر کے ہیکل میں گھس پڑی۔ اور ایک سپاہی نے بغیر حکم کے ایک مشعل خاص ہیکل کے اندر پھینکی تب جلد اس میں آگ لگ اُٹھی۔ طیطس نے اس کے بجھانے کا حکم دیا لیکن اس زور شور کی ہلچل میں کون کس کی سنتا تھا۔ سپاہیوں نے ہیکل پر دھاوا کر دیا اور کسی طرح رک نہ سکے"

اس قیامت خیز ہنگامے میں توریت نہ کسی یہودی کے ہاتھ آ سکتی تھی نہ پائے تخت روم میں منتقل ہو سکتی تھی۔ وہ شعلوں ہی کی نذر ہوئی۔ یہ توریت کی چوتھی بربادی کے واقعات ہیں۔

توریت کی پانچویں بربادی واقعات مندرجہ بالا کے تقریباً ۶۵ سال بعد قیصر ہڈرین کے عہد میں یہودیوں کی پھر شامت آئی۔ اور اُنہوں نے جا بجا اپنا اجتماع کر کے رومیوں کے ساتھ پھر ایک جان توڑ مقابلہ کیا۔ مگر شکست کھائی۔ قریب پانچ لاکھ کے قتل ہوئے۔ بقیہ لوگ شہر سے نکالے گئے اور یروشلم کے ویران کھنڈروں میں بھی اُنہیں آنے کی اجازت نہ ملی۔ رومیوں کو اس شہر میں بسا دیا

گیا۔ اور ہیکل یعنی بیت المقدس کو مسمار کرکے وہاں ہل چلوا دئے گئے۔ پھر اُس جگہ جیوپیٹر دیوتا کا ایک مندر کھڑا کر دیا گیا۔ اور کوہ کلوری پر ڈنیس دیوی کی مورت رکھدی گئی۔ شہر تک کا نام بدل کر ایلیہ رکھ دیا گیا۔ اس سلسلہ میں توریت کی پانچویں تباہی واقع ہوئی۔

توریت کی چھٹی بربادی سنہ ۴۰۰ء کے قریب جبکہ رومیوں پر شمال کی جانب سے آئی ہوئی وحشی قوموں نے غلبہ حاصل کر لیا تو موسویت اور مسیحیت کی انتہا درجہ کی بیخکنی ہوئی یہ قومیں بت پرست اور پرلے درجے کی جاہل اور وحشی تھیں جہاں جہاں ان کا غلبہ ہوا مدرسوں، کتبخانوں، علم اور دین کے مکتوبات اور نوشتوں تباہیاں اور آتشزدگیاں اور بربادیاں نازل ہوتی گئیں ایک مدت تک ہر طرف تاریکی ہی تاریکی پھیلتی گئی۔ اور پرانے ادیان و مذاہب کی بیخکنی ہوتی رہی حتی کہ دفعتاً عرب میں آفتاب محمدی طلوع ہوا۔ جس نے یک بیک سارا نقشہ بدل دیا۔

متذکرہ بالا وحشی اقوام کے دور جہالت میں توریت پر چھٹی مرتبہ تباہی نازل ہوئی۔

توریت کی ساتویں بربادی سنہ ۶۱۳ء میں شاہ ایران خسرو پرویز نے یروشلم پر چڑھائی کرکے اُسے لے لیا۔ اور نوے ہزار (۹۰۰۰۰) آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ اور عیسائیوں کے تمام گرجاگھروں اور متبرک مکانوں کو حتی المقدور ڈھادیا۔ (دیکھو عیسائی تصنیف "الکتاب کے مقامات المعروف" مطبوعہ مرزاپور سنہ ۱۸۶۰ء صفحہ ۱۹ و ۲۰)

اس سلسلہ میں توریت کی ساتویں مرتبہ تباہی واقع ہوئی۔ اس موقعہ پر اور اس سے قبل کے موقعہ پر توریت کے ساتھ تباہی میں انجیل بھی شامل ہو گئی۔ و نیز عہد عتیق و عہد جدید کے دیگر صحائف بھی۔

توریت کی آٹھویں بربادی اس کتاب کی متذکرہ بالا تباہیاں تو وہ ہیں جو اغیار کے ہاتھ سے ہوئیں۔ مگر خود یہودیوں نے بھی اپنی کتابوں کے برباد کرنے میں کمی نہیں کی۔ چنانچہ اس نوع کی بربادیوں کو بہیئت مجموعی ہم توریت کی آٹھویں بربادی قرار دیتے ہیں۔ پادری گریزٹم صاحب اپنی تفسیر

میں لکھتے ہیں کہ:۔

"پیغمبروں کی بہت سی کتابیں ناپید ہوگئیں اس لئے کہ یہودیوں نے غفلت سے بلکہ بے دینی سے بعض کتابوں کو کھو دیا اور بعض کو پھاڑ ڈالا اور بعض کو جلا دیا"

ڈاکٹر کنی کاٹ صاحب بیان کرتے ہیں کہ عہد عتیق کے تمام عبرانی قلمی نسخے جن کا موجود ہونا اب ہم کو معلوم ہے ایک ہزار اور ایک ہزار چار سو ستاون برس کے درمیان کے لکھے ہوئے ہیں اور اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ تمام قلمی نسخے جو سات سو یا آٹھ سو برس پیشتر کے لکھے ہوئے تھے یہودیوں کی سینٹ (یعنی مجلس امرا) کے بعض حکموں کے بموجب معدوم کر دئیے گئے تھے بوجہ اس کے کہ ان نسخوں میں بہت اختلاف تھا ان نسخوں کے ساتھ جن کو اس زمانہ میں خالص گن جاتا تھا بشپ والٹن صاحب بھی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سبب سے چھ سو برس کے نسخے ہمارے پاس چند ہیں اور سات سو یا آٹھ سو برس کے نسخے بہت کمیاب ہیں۔

توریت اور عہد عتیق کے دیگر صحف انبیاء کا اپنی اصلی اور ابتدائی صورتوں میں نہ رہنا تو واقعات مندرجہ مضمون ماقبل سے بخوبی روشن ہے اطمینان مزید کے لئے آؤ ذرا ان کتابوں کے اندرونی نقشوں پر بھی نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ ان کی اندرونی شہادت کس جانب اشارہ کرتی ہے۔

کتب عہد عتیق کے اجزائے ترکیبی

موجودہ مروجہ عہد عتیق میں جو انتالیس (۳۹) کتابیں شامل ہیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) پیدائش یا تکوین (۲) خروج (۳) احبار (۴) گنتی یا اعداد (۵) استثنا یا توریت مثنی (۶) یشوع یا یوشع (۷) قاضیوں یا قضاہ (۸) روت یا عورت (۹) سموائیل اور صموئیل اوّل۔ (۱۰) سموائیل دوم یا صموئیل دوم (۱۱) سلاطین اوّل یا ملوک اوّل (۱۲) سلاطین دوم ملوک دوم (۱۳) تواریخ اوّل یا ملوک اوّل (۱۴) تواریخ دوم یا ملوک دوم (۱۵) عزرا۔ (۱۶) نحمیاہ (۱۷) آستر

یا اشتیر۔ (۱۸) ایوب (۱۹) زبور (۲۰) امثال سلیمان (۲۱) واعظ (۲۲) غزل الغزلات (۲۳) یشعیاہ (۲۴) یرمیاہ (۲۵) نوحہ یرمیاہ (۲۶) خرقی ایل یا خرقیل (۲۷) دانیال (۲۸) ہوسیع (۲۹) یوئیل (۳۰) عاموس یا عموس (۳۱) عبدیاہ (۳۲) یونہ (۳۳) میکہ یا میکاہ (۳۴) نحوم (۳۵) حبقوق (۳۶) صفنیاہ (۳۷) حجی (۳۸) ذکریاہ (۳۹) ملاکی۔

علاوہ کتب مندرجہ بالا کے سترہ (۱۷) کتابیں ایسی ہیں جو ایک زمانہ میں موجود تھیں اور اب نابود ہیں مگر اُن کا ذکر اور ان کے حوالے عہد عتیق کے موجودہ مجموعہ میں اب بھی موجود ہیں اور کوئی شخص ان کے صحیح اور معتبر ہونے سے اور اس بات سے کہ وہ ایک زمانہ میں موجود تھیں انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ان کتابوں کے نام معہ اُن آیات کے حوالوں کے جن میں اُن کا ذکر آیا ہے ذیل میں درج ہیں۔

نمبر	نام کتب گم شدہ	حوالجات عہد عتیق موجودہ
۱	کتاب عہد نامہ موسیٰ	خروج۔ باب ۲۴۔ آیہ ۷۔
۲	جنگ نامہ خداوند	گنتی باب ۲۱۔ آیہ ۱۴۔
۳	کتاب الیاشر	سموئیل دوم باب ۱۔ آیہ ۱۸ اور یشوع۔ باب ۱۰ آیہ ۱۳
۴	کتاب یا ہو بن خانی	تواریخ دوم۔ باب ۲۰۔ آیہ ۳۴
۵	کتاب سمعیاہ نبی۔	تواریخ دوم۔ باب ۱۲۔ آیہ ۱۵
۶	کتاب اخیاہ نبی	تواریخ دوم۔ باب ۹۔ آیہ ۲۹
۷	کتاب ناتن نبی	تواریخ دوم۔ باب ۹۔ آیہ ۲۹
۸	کتاب مشاہدات عید وغیب بین	تواریخ دوم۔ باب ۹۔ آیہ ۲۹
۹	کتاب اعمال سلیمان	سلاطین اوّل۔ باب ۱۱۔ آیہ ۴۱
۱۰	کتاب یسعیاہ بن اموص	تواریخ دوم۔ باب ۲۶۔ آیہ ۲۲

نمبر	نام کتب گم شدہ	حوالجات عہد عتیق موجودہ
۱۱	کتاب مشاہدات یسعیاہ بن اموس	تواریخ دوم - باب ۳۲ - آیہ ۳۲
۱۲	سموایل غیب بین کی تواریخ	تواریخ اول - باب ۲۹ - آیہ ۲۹ و ۳۰ -
۱۳	نغمات سلیمان ایک ہزار پانچ	سلاطین اول - باب ۴ - آیہ ۳۲ و ۳۳
۱۴	سلیمان کی کتاب خواص نباتات وحیوانات	سلاطین اول - باب ۴ - آیہ ۳۲ و ۳۳ -
۱۵	کتاب امثال سلیمان (یہ تین ہزار امثال ان سے مختلف ہیں جو موجودہ عہد عتیق میں درج ہیں)	سلاطین اول - باب ۴ - آیہ ۳۲
۱۶	جاد غیب بیں کی تواریخ	تواریخ اول - باب ۲۹ - آیہ ۲۹
۱۷	مرثیہ یرمیاہ (یہ مرثیہ اس نوحہ یرمیاہ سے مختلف ہے جو بائیبل میں درج ہے بقول بشپ پیرٹک یہ مرثیہ اب گم ہے)	تواریخ دوم - باب ۳۵ - آیہ ۲۵ -

ان سترہ کتابوں کے علاوہ اور بھی چند کتابیں تھیں، جنہیں صحیح ومستند سمجھا جاتا تھا مگر وہ اب معدوم ہیں۔ چنانچہ بڑے بڑے مسیحی علماء کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔ ہمفدرڈ صاحب اپنی کتاب "سوالات" مطبوعہ لندن ۱۸۴۳ء میں سوال دوم کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:- "یہ کتابیں جن میں حضرت مسیح علیہ السلام کو ناصری کہا گیا ہے (اور جس کا ذکر مقدس متی نے باب ۲ - آیہ ۲۳ میں کیا ہے) نیست ونابود ہو گئی ہیں اس لئے "کہ جو کتابیں نبیوں کی اب موجود ہیں ان میں کسی میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ناصری نہیں لکھا ہے"۔

گریز اسٹم صاحب اپنی ہولی عینی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:- "پیغمبروں کی بہت سی کتابیں ناپید

ہو گئیں اس لئے کہ یہودیوں نے غفلت سے بلکہ بد دینی سے بعض کتابوں کو کھو دیا اور بعض کو پھاڑ ڈالا اور بعض کو جلا دیا۔"

یہوداہ کے خط (عہد جدید) آیہ ۹ میں لکھا ہے کہ:- "جب میکائیل نے شیطان سے تکرار کر کے موسیٰ کی لاش کی بابت بحث کی۔" ظاہر ہے کہ یہوداہ نے یہ واقعہ توریت ہی سے لیا ہوگا۔ مگر موجودہ توریت میں اس واقعہ کا کہیں نام و نشان تک نہیں۔

تمطاوس دوم باب ۳ آیہ ۸ میں ہے کہ:- "یاناس اور یمبراس نے موسیٰ کا سامنا کیا۔" مگر یہ دونو نام موجودہ عہد عتیق میں کہیں نہیں پائے جاتے۔

یہوداہ نے اپنے خط کی آیہ ۱۴ و ۱۵ میں حنوک کی پیشین گوئی کا جو ذکر کیا ہے وہ آج کل کی توریت میں کہیں مندرج نہیں۔

زبور ۱۰۵ آیہ ۱۸ میں یوسف علیہ السلام کی بیڑیوں اور زنجیروں کا جو حال درج ہے اُس کا بھی توریت میں کہیں ذکر نہیں ہے۔

تفسیر ڈائیلی مطبوعہ ۱۸۵۶ء جلد ۲ - صفحہ ۱۳۹ پر درج ہے کہ:-

"اس بادشاہ روشن ضمیر یعنی سلیمان نے اس دانائی کو جو اُس نے پائی انسانوں کے فائدہ کے لئے استعمال میں لانا چاہا اور بہت سی کتابیں اُن کی تعلیم کے لئے لکھیں مگر حضرت عزرا نے اُن میں سے صرف تین کو مقدس کتابوں میں داخل کیا۔ اور بقیہ کتابیں (جو کتب مقدسہ میں داخل نہیں کی گئیں) یا تو مذہبی تربیت کے لئے نہیں لکھی گئیں تھیں یا ایک زمانہ کے گذر جانے کے باعث خراب و ناقص ہو گئیں تھیں۔"

نمونہ کے طور پر اس قسم کی صرف چند ہی مثالیں اوپر درج کی گئیں ہیں۔

غرضیکہ یہ امر یقینی ہے کہ علاوہ اُن سترہ (۱۷) کتب مقدسہ کے جن کی فہرست دی جا چکی ہے۔

اور بھی مقدس کتابیں ایسی تھیں جن کا کسی زمانہ میں وجود تھا مگر اب عرصہ سے ناپید ہیں۔ ان کتابوں کے الہامی نہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔ کم ازکم ان کتابوں کا اتنا ہی الہامی ہونا ضروری ہے جتنا الہامی کہ موجودہ مروجہ کتابوں کا ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ کیونکہ کوئی الہامی مصنف اپنی الہامی کتاب میں نہ اُن کتابوں سے استخراج کرسکتا ہے نہ اُن کے حوالے دے سکتا ہے نہ اُن کے مضامین کی تصدیق کرسکتا ہے جو کہ الہامی نہ ہوں یا جن کو وہ جھوٹا یا جعلی سمجھتا ہو۔

علاوہ کتب متذکرۂ بالا پینتیس (۳۵) کتابیں ایسی ہیں جو کسی زمانہ میں عہد عتیق میں داخل تھیں مگر اب جعلی سمجھی جاتی ہیں۔ اور بائیبل سے خارج کردی گئیں ہیں۔ ان میں سے چند کتابیں ایسی ہیں۔ جنہیں عیسائیوں کے بعض فرقے اب تک مانتے چلے جاتے ہیں اور بعض فرقے نہیں مانتے اور چند کتابیں ایسی ہیں جنہیں بالاتفاق جملہ فرقہائے مسیحی جعلی قرار دیتے ہیں مگر یہ سب کتابیں عہد عتیق کے یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ یعنی سبعینیہ میں جو ۲۸۴ برس قبل مسیح تیار ہوا تھا موجود ہیں اور یونانی اور رومی کلیسا کے نزدیک مقدس ہیں بلکہ اُن میں سے بعض کی تلاوت بھی اب تک جاری ہے۔ پراٹسٹنٹ کلیسا نے ان کو خارج کردیا ہے اور ان کا نام "اپوکرافیہ" یعنی جعلی رکھ دیا ہے اگرچہ علمائے یورپ اب بھی اُن کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ذریعہ عیسیٰ علیہ السلام سے تین سو برس پیشتر کی تاریخ پر کافی روشنی پڑتی ہے اور تورات و اناجیل کے درمیان یہ کتابیں برزخ کا کام دیتی ہیں ان کتابوں میں سے بعض بعض میں چند ایسے مضامین بھی ہیں جن کا حوالہ قرآن شریف میں پایا جاتا ہے مگر جن کو مروجہ عہد عتیق کی کتابوں سے خارج کردیا گیا ہے یا مبہم طور پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ آزر سے مناظرہ جو سورہ انعام میں مذکور ہے۔ توریت کی کتاب پیدائش میں کہیں بیان نہیں کیا گیا۔ حالانکہ جعلی قرار دی ہوئی خارج شدہ کتاب جوبلی کی آیہ ۱۲ میں یہ مناظرہ بجنسہٖ موجود ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان "جعلی" کتابوں میں سے بیشتر کتابیں حقیقتاً جعلی ہیں۔ سکندر کے جانشینوں کے عہد میں جب

ایک طرف یہود اپنی آزادی قائم رکھنے کے لئے جدوجہد میں مصروف تھے تو دوسری طرف انہیں یہود کے اندرونی فرقوں میں آپس میں مناظروں اور مناقشوں اور مجادلوں کا بازار بھی گرم تھا اور لوگوں نے اپنے مدعا کے مطابق کتابیں تصنیف کرکے اُن کو انبیائے بنی اسرائیل کے نام سے منسوب کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہود کی دیکھا دیکھی بعد مسیح نصاریٰ نے بھی یہی روش اختیار کرلی تھی اور واقعات آئندہ ظہور مسیح کی پیشین گوئیوں سے لبریز کتابوں کا اپنی حسب دلخواہ عبارت میں لکھنا شروع کر دیا تھا یہ جملہ واقعات کھلی ہوئی تفسیر ہیں مندرجہ ذیل آیت قرآنی کی:۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ۝
(البقرۃ ع ۹)

"پس وائے برحال ان لوگوں کے جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھوں سے پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے تاکہ بیچیں اس کو تھوڑے مول پر پس خرابی ہے اُن کو اپنے ہاتھ کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کو اپنی اس کمائی سے۔"

ان پینتیس متروک کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:۔

نمبر	کتب متروکہ	نمبر	کتب متروکہ
۱تا۷	کتب سبعہ شیث ؑ	۱۳	کتاب الوصیت موسیٰ
۸	کتاب حنوک	۱۴	کتاب اسرار موسیٰ
۹	کتاب مشاہدات ابراہیم ؑ۔	۱۵	کتاب معراج موسیٰ
۱۰	کتاب مشاہدات موسیٰ ؑ	۱۶	کتاب عزرا نمبر ا
۱۱	کتاب پیدائش صغیر	۱۷	کتاب عزرا نمبر ۲
۱۲	کتاب قیاس موسیٰ	۱۸	کتاب توبٹ

نمبر	کتب متروکہ	نمبر	کتب متروکہ
۱۹	کتاب جوتھ	۳۲	کتاب طوبیل
۲۰	بقیہ ابواب استر	۳۳	کتاب جوبلی
۲۱	کتاب سلیمان کی دانائی	۳۴	کتاب حزقیل بابت یروشلم
۲۲	کتاب الواعظ	۳۵	کتاب حزقیل بابت صدقیاہ اور بابل ـ
۲۳	کتاب باروق		بعض عیسائی مصنفین ہی نے ان پر تین مندرجہ
۲۴	کتاب تاریخ سسینا		ذیل کتب کا اور اضافہ کیا ہے ۔
۲۵	تین معصوم بچوں کا نغمہ	۳۶	سموائیل کی وہ کتاب جس کا ذکر سموائیل اوّل
۲۶	تاریخ بربادی بل اور ڈرگن		باب ۱۰ ۔ آیہ ۲۵ میں آیا ہے ۔
۲۷	دعائے منسیں شاہ یہودیہ	۳۷	ہوسیاہ جس کا ذکر تواریخ دوم باب ۳۳
۲۸	کتاب مقابیں ۔ اوّل		آیہ ۹ میں آیا ہے ۔
۲۹	کتاب مقابیں دوم	۳۸	عیدونبی کی تفسیر جس کا ذکر تواریخ دوم
۳۰	کتاب معراج اشعیاہ		باب ۱۳ ۔ آیہ ۲۲ میں آیا ہے ۔
۳۱	ملفوظات حبقوق		

متذکرہ بالا اڑتیس (۳۸) کتابوں کو اوّل الذکر سترہ گمشدہ کتابوں کے ساتھ شامل کیا جائے تو کل پچپن کتابیں ہوئیں جو کسی زمانہ میں عہد عتیق میں داخل تھیں مگر اب خارج ہیں ۔

نسخوں میں اختلاف عہد عتیق کی کتابوں پر سات تباہیاں تو دشمنوں کے ہاتھ سے وارد ہوئیں۔ کہ ہر مرتبہ بائبل ناپید ہوئی اور ہر مرتبہ لوگوں نے کچھ حافظہ سے کچھ سن سنا کر کچھ اپنے ذاتی قیاس سے کچھ مصلحت وقت سے جو چاہا لکھ لیا ۔ اور اسے بائبل قرار دیدیا ۔ آٹھویں تباہی دشمنوں یعنی خود یہودیوں ہی کے ہاتھوں

عمل میں آئی۔ بچپن کتابوں کو اُنہوں نے کتب مقدسہ سے خارج کر دیا۔ بعض کو جعلی قرار دیدیا۔ بعض حقیقتاً جعلی تھیں۔ جنہیں ایک عرصہ تک اُنہوں نے کتب مقدسہ میں شامل رکھا۔ اور بعد میں خارج کر دیا۔ اور بعض کو ایسا ناپید کر دیا کہ اُن کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا تھیں اور کیسی تھیں۔ اب انتالیس مروجہ کتابیں جو آج موجود ہیں۔ ان کی بابت کیا اطمینان ہو سکتا ہے کہ یہ کس حد تک معتبر ہیں؟ اوّل تو ان کے قدیم نسخے ہی مفقود ہیں۔ دوم ان کی جو جدید نقول میسر بھی ہیں اُن میں بکثرت اختلافات ہیں۔ پھر ایسی حالت میں جب قوم میں حفاظ کلام الٰہی کا بھی وجود نہ ہو اس کی کتب مقدسہ کے تحریفات لفظی و معنوی سے محفوظ ہونے کے متعلق کیا اطمینان ہو سکتا ہے۔

قدیم نسخوں کی مفقودی کے متعلق ریورنڈ ہارن صاحب اپنی کتاب دیباچہ علوم بائیبل جلد ۲۔ حصہ اوّل باب ۲ فصل اوّل میں لکھتے ہیں کہ:۔

"عہد عتیق کی کتابیں دراصل عبرانی زبان میں ہیں اور وہ دو ناموں سے پکاری جاتی ہیں ایک آٹوگرافس یعنی وہ کتابیں جن کو خود الہامی لکھنے والوں نے لکھا تھا۔ ان میں کے سب نسخے ناپید ہو گئے۔ کوئی بھی موجود نہیں ہے۔ دوسرے اپوگرافس یعنی وہ نسخے جو اصلی نسخوں سے نقل ہوئے تھے اور مکرر سہ کرر نقل ہوتے ہوتے بہت کثرت سے پھیل گئے تھے یہ پچھلے نسخے بھی دو قسم کے تھے۔

(۱) پرانے جو یہودیوں میں بہت معتبر اور سندی گنے جاتے تھے مگر یہ نسخے بھی مدت سے معدوم ہو گئے ہیں۔

(۲) نئے جو سرکاری کتب خانوں یا لوگوں کے پاس موجود ہیں۔ یہ بھی دو قسم کے ہیں اوّل رولڈ یعنی وہ قلمی صحیفے جو معابد میں کام آتے ہیں دوم اس کو سر میو سکرپٹس یعنی وہ قلمی نسخے جو مربع تقطیع پر لکھے ہیں اور عام لوگوں کے کام میں آتے ہیں۔"

اب ان نسخوں کا بھی حال سن لیجئے۔ بقول ڈاکٹر جان کمڈول کے جن کی انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ بھی امریکن مشن پریس لدھیانہ سے شائع ہو چکا ہے۔ چھٹی اور دسویں صدی کے درمیان یہودیوں کے دو مدرسے تھے ایک بابل میں جو مشرق میں ہے دوسرا طبریس میں جو مغرب میں ہے ان دونوں مدرسوں میں یہودیوں کے علم کا بڑا چرچا تھا اور کتب مقدسہ بہت کثرت سے نقل کی جاتی تھیں! اس سبب سے یہودیوں میں کتب مقدسہ کی دو قسمیں ہو گئیں۔ جو نسخے پہلے مدرسہ میں مروج تھے۔ اورینٹیل ریڈنگ (یعنی مشرقی نسخے) کہلائے۔ اور جو دوسرے مدرسوں میں مروج تھے آکسی ڈینٹل ریڈنگ (یعنی مغربی نسخے) کہلائے۔ آٹھویں یا نویں صدی میں ان دونوں نسخوں کا مقابلہ ہوا۔ اور اُن میں جو اختلافات پائے گئے ان کی تعداد مختلف طور پر (۲۱۰) اور (۲۱۶) اور (۲۲۰) بیان کی جاتی ہے۔ گیارہویں صدی کی ابتدا میں ان دونوں مدرسوں کے فاضل پریسیڈنٹوں نے پھر مشرقی اور مغربی قلمی نسخوں کا مقابلہ کیا۔ اس مرتبہ اختلافات کی تعداد (۸۶۴) نکلی۔ پھر فادر مارن صاحب نے نہایت دلیری سے عبرانی قلمی نسخوں کی غلطیاں ثابت کیں۔ پھر لوئیس کیپل صاحب نے بہت سی غلطیاں نکالیں۔ پھر بشپ والٹن صاحب نے لوئیس کیپل کی تائید کرتے ہوئے اس امر پر زور دیا کہ عبری عہد عتیق کی تصحیح کے لئے کوئی اچھا قاعدہ بنانا چاہئے۔ سترہویں صدی میں یہ بات عام طور پر قرار پاگئی کہ بغرض تصحیح عبری عہد عتیق کے نسخوں کے از سر نو مقابلہ کی اشد ضرورت ہے۔ عہد عتیق کی کتابیں پہلی مرتبہ ۱۴۸۸ء میں چھاپی گئیں تھیں۔ جب واندر ہوفٹ نے ۱۷۰۵ء میں ان کی طبع ثانی کا اہتمام کیا تو اسے بارہ ہزار جگہ طبع اول سے اختلاف کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ مگر باوجود اس ساری کوشش اور جد و جہد کے جو نتیجہ برآمد ہوا دینی علما سے بھی مخفی نہیں ریونڈ ہارن صاحب اپنی کتاب جلد اول کے صفحہ ۶۸ پر لکھتے ہیں کہ :- الحاق کے باب میں یہ قبول کرنا پڑے گا کہ توریت میں الحاقی فقرے موجود ہیں۔" ان الحاقی اور مشکوک کتابوں سے بالآخر پریشان ہو کر جان کیٹو۔ اپنی انسائیکلو پیڈیا میں

لکھتا ہے کہ :۔ یہی کافی نہیں کہ جن مقامات کو ہم غلط سمجھیں اُنہیں کو الحاقی مانیں اور باقی کو بلا کم و کاست صحیح جانیں بلکہ ممکن ہے کہ جنہوں نے الحاق کیا ہے اُنہوں نے باقی حصوں میں بھی تصرف کیا ہو۔"

انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا (طبع جدید) میں بھی "بائیبل" پر جو مضمون ہے اُس میں لکھا ہے کہ :۔

عرصہ دراز تک کتب مقدسہ کا مطالعہ جرح و تعدیل کے مستند اصول سے محروم رہا۔ یہود محض اُس عبرانی نسخے کی پیروی کرتے تھے جس کی نسبت یہ مشہور تھا کہ غالباً وہ دوسری صدی عیسوی میں جمع کیا گیا اور بعد ازاں احتیاط سے محفوظ رکھا گیا لیکن اس نسخہ میں چند تحریفیں تو ایسی ہیں جو اب صاف نظر آتی ہیں اور غالباً ایک کافی تعداد تک ایسی تحریفیں اور بھی موجود ہیں۔ جن کی شاید اب یا کبھی پورے طور سے قلعی نہ کھل سکے۔ عیسائی اور اسکندریہ کے یہودی علما کی حالت اس سے بھی بدتر تھی۔ کیونکہ پانچویں صدی عیسوی تک شاذ و نادر اور استثنا کے ساتھ اور پانچویں صدی سے پندرہویں صدی تک بلا استثنار ان بزرگوں نے تمامتر ترجموں ہی پر اکتفا کیا ہے۔"

ترجمے اب ذرا اس بات پر نظر ڈال لینے کی بھی ضرورت ہے کہ ترجموں نے بائیبل کے ساتھ کیا سلوک کیا اور بائیبل والوں نے ترجموں کے ساتھ کیا معاملہ برتا۔

پادشاہ مصر بطلیموس فلا دیلفوس (۲۸۴ تا ۲۴۶ قبل مسیح) نے اپنے مشہور کتبخانہ اسکندریہ کے لئے کتب عہد عتیق کا یونانی زبان میں ترجمہ چاہا۔ چنانچہ اس نے زر کثیر صرف کیا۔ اپنے دو عالی قدر مصاحبوں کا وفد یروشلم میں کاہنوں کے سردار کے پاس روانہ کیا کہ وہاں سے وہ کتب مقدسہ کی نقل لائے۔ اور ستر ۷۲ یہودی علما ایسے لاوے۔ جو عبرانی اور یونانی زبانوں پر کافی قدرت رکھتے ہوں تاکہ یونانی زبان میں اُن کتابوں کا ترجمہ کر اسکیں۔ وفد کامیاب واپس آیا۔ بہتر علما نے کتب مقدسہ کا یونانی زبان میں ترجمہ کیا۔ اور اس ترجمہ کا نام سیپٹواجنٹ (SEPTILAGINT) رکھا گیا یہ ترجمہ سب سے زیادہ مستند اور پرانا بیان کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے متعلق مفسرین بائبل میں اس درجہ اختلاف ہے کہ

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیر ھا

بعض لوگ کہتے (۷۲) علماء کا ترجمہ بتلاتے ہیں اور بعض صرف (۷۰) ہی علماء کی تعداد بیان کرتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ (۲۰۰) برس قبل مسیح یہ ترجمہ ہوا۔ بعض (۲۷۰) برس بعض (۲۸۵ یا ۲۸۶) برس اور بعض (۳۰۰) برس قبل مسیح اس کا ہونا بیان کرتے ہیں پھر اُن ستر یا بہتر علما کے نام تک سے بھی کوئی واقف نہیں چہ جائیکہ اُن کے حالات، فضیلت علمی اور تقوے سے کوئی واقف ہو۔ مزید برآں جن صورتوں اور حالات میں اس ترجمہ کا کیا جانا ظاہر کیا جاتا ہے۔ اُس میں بھی بکثرت اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ (۷۲) علما نے (۷۲) دن میں اس ترجمہ کو پورا کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ (۷۰) علماء کو علیحدہ علیحدہ بند کر دیا گیا۔ اُنہوں نے علیحدہ علیحدہ ترجمہ کیا۔ اور بعد میں جب مقابلہ کیا گیا تو لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً سب باہم مطابق نکلے۔ بعض کہتے ہیں کہ (۷۲) عالموں سے دو دو کو (۳۶) مکانوں میں بند کر دیا گیا۔ ہر مکان میں پہلے دونوں عالم الگ الگ ترجمہ کرتے تھے۔ پھر آپس میں مقابلہ اور بحث کے بعد اپنے ترجموں میں تطبیق دے لیتے تھے۔ اس طرح (۳۶) ترجمے تیار ہوئے اور مقابلہ کیا گیا تو سب لفظاً اور حرفاً مطابق نکلے۔ بعض کا قول ہے کہ سارے علما الگ ترجمہ کرتے تھے۔ پھر آپس میں ملتے تھے اور ترجموں کا مقابلہ کرتے تھے اور بحث کر کے صحیح بات ٹھہراتے تھے اور اُسے ڈمی ٹرئس کاتب سے لکھوا لیتے تھے۔ بعض کا کہنا یہ ہے کہ یہ ترجمہ متفرق لوگوں نے متفرق طور پر مختلف اوقات میں کیا۔ ریورنڈ ہارن صاحب فرماتے ہیں کہ "اس انبارِ کذب میں ایک سچ دبا ہوا ہے جو بہ آسانی تحقق نہیں ہو سکتا۔ پس ہم کو جائز ہے کہ ان روایتوں میں سے ایک کی طرف بھی التفات نہ کریں" پھر اس ترجمہ کے متعلق ہارن صاحب نے صاف لکھ دیا ہے کہ "اُس نامہ کی سچائی پر بڑی گفتگو ہے۔ جعلی ہونے کی صورت میں بھی یہ جعل بہت پرانا ہے کیونکہ مؤرخ جوسیفس نے بھی اپنی تاریخ میں اُس کا ذکر کیا ہے سترہویں اٹھارہویں صدی سے قبل اُس نامہ کی سچائی پر گفتگو نہ تھی۔ مگر سترہویں اٹھارویں صدی میں اُس کی سچائی پر بڑی گفتگو ہوئی اور ہمارے جمہور

علما کا اس کے جعلی ہونے پر اتفاق ہوگیا۔"

سریانی زبان میں بھی ایک ترجمہ جو پیشٹو (PESHTO) کے نام سے مشہور ہے نہایت قدیم سمجھا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کا ترجمہ ہے۔ بعض اسے جروم صاحب کا ترجمہ بتلاتے ہیں۔ بعض اسے زمانہ آسا سے متعلق کرتے ہیں جو کہ سامریوں کا پریسٹ تھا۔ بعض اسے تہدیس حواری کے زمانہ کا قرار دیتے ہیں۔ سریا کے گرجوں میں اس آخری روایت ہی کو تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر زمانہ حال کے نکتہ چین حضرات اس کو قریبی زمانہ ہی کا قرار دیتے ہیں، بشپ والٹن اور کارپ روز صاحب اور سیوساٹن صاحب اور بشپ لوتھا اور ڈاکٹر کنی کاٹ اسے اوّل صدی عیسوی کا ترجمہ قرار دیتے ہیں۔ بابر صاحب اور چند دیگر جرمن علماً اسے دوسری یا تیسری صدی کا کہتے ہیں اور ڈراسی صاحب اسے بہت قدیم بتلاتے ہیں مگر کوئی تاریخ نہیں مقرر کرتے۔ اس ترجمہ میں زبور کی ابتدا میں جو تمہید دی گئی ہے وہ نہایت واضح طور پر کسی عیسائی کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ ترجمہ عبرانی سے سریانی میں ہوا۔ اور ترجمہ کا یہ انداز دیکھ کر جین صاحب یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ایک شخص کا کیا ہوا نہیں ہے بلکہ متعدد اشخاص کا کیا ہوا ہے۔

جو ترجمے کہ نہایت قدیم معتبر اور مشہور شمار ہوتے ہیں ان کی یہ کیفیت ہے کہ نہ اُن کے زمانہ کا کچھ ٹھیک ہے نہ ترجمہ کرنے والوں کا صحیح حال کسی کو معلوم ہے جو کچھ بیان کیا گیا ہے اور بیان کیا جاتا ہے۔ سب اٹکل سے کسی قول کی تائید میں کسی کے پاس کوئی ثبوت ہے نہ کسی بات پر یقین کرنے کے لئے کوئی دلیل تعین زمانہ میں جو اختلافات واقع ہوئے ہیں۔ وہ دس بیس سال نہیں بلکہ سینکڑوں برس کا تفاوت ظاہر کرتے ہیں مثلاً سریانی ترجمہ پیشٹو کے بارہ میں سلیمان علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر دوسری اور تیسری صدی عیسوی تک کا تفاوت ظاہر ہو رہا ہے اور زبور کی عیسائی تمہید پر غور کیا جائے تو یہ تفاوت دو چار سو برس کا نہیں بلکہ تیرہ سو برس کا ہو جاتا ہے باوجود اس کے سپٹواجنٹ یعنی یونانی ترجمہ

نسخہ سبعینیہ نے وہ مقبولیت حاصل کی کہ عبادت خانوں میں بجائے عبرانی توریت کے اسی کی تلاوت ہونے لگی اور صدیوں تک ہوتی رہی۔ دوسری زبانوں میں ترجمے اصل عبری سے نہیں بلکہ اسی یونانی نسخے سے ہونے لگے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیوں نے ترجمہ سبعینیہ سے پیشینگوئیاں نکال نکال کر یہودیوں پر رسالت مسیح ثابت کرنی شروع کی تو یہود چیخ اُٹھے اور کہنے لگے کہ یہ ترجمہ معتبر نہیں۔ چنانچہ اس کے بعد چند یہودیوں نے ایک ترجمہ کرنے پر کمر باندھی۔

ان چند یہودیوں میں کے پہلے شخص کا نام اقویلہ تھا۔ یہ یہودی تھا۔ عیسائی بن گیا تھا۔ بعد میں عیسائیت سے منحرف ہو کر پھر یہودی ہو گیا۔ اس نے نسخہ سبعینیہ پر یہ اعتراض کیا کہ یہ ترجمہ لفظی نہیں چنانچہ ۱۲۹ء میں اپنی طرف سے ایک "لفظی ترجمہ" بھی پیش کر دیا۔ اس کے بعد دوسرے یہودی تھیودوشن نے اقویلہ کے ترجمہ کو یہ کہہ کر رد کر دیا۔ کہ یہ فقط لفظی ترجمہ ہے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ بامحاورہ ترجمہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ۱۷۵ء میں اس نے بامحاورہ ترجمہ کیا۔ یہ شخص دراصل ملحد تھا۔ یہودی بن گیا تھا۔ پھر تیسرا شخص میدان میں آیا جس کا نام تمکوس تھا اور اس نے تھیودوشن سے بھی زیادہ آزادی کے ساتھ ایک "بامحاورہ ترجمہ" کر کے ۲۰۰ء میں پیش کر دیا۔ یہ شخص پہلے سامری تھا۔ پھر یہودی ہو گیا تھا۔ بقول مسٹر چارلس ڈارمین کے اس شخص نے اپنے ترجمہ میں یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کی درپردہ اہانت کی ہے۔

اب نسخہ سبعینیہ یہودی عبادت گاہوں سے نکالا گیا، اور اس کی جگہ ان تینوں جدید ترجموں نے لے لی۔ آگے چل کر ان ترجموں کی نقلوں میں بھی اختلاف ہونے لگا۔ اور مختلف ترجموں کی عبارتیں آپس میں خلط ملط ہو گئیں۔

اس حالت کو دیکھ کر اوریجن نے ۲۳۱ء میں ایک کتاب تیار کی جس کا نام ہیکسیپلا (HEXAPLA) رکھا۔ مسٹر چارلس ڈال میں لکھتے ہیں کہ: "اس کتاب میں چھ خانے رکھے گئے

پہلے خانہ میں عبری کو عبری حرفوں میں دوسرے خانہ میں عبری کو یونانی حرفوں میں۔ تیسرے خانہ میں ترجمہ اقوبلہ۔ چوتھے خانہ میں ترجمہ تمکوس پانچویں خانہ میں ترجمہ سیپٹوا جنٹ اور چھٹے خانہ میں ترجمہ تھیودوشن کو کو درج کیا۔ اور جہاں سیپٹوا جنٹ میں توضیح کے لئے کوئی لفظ دوسرے ترجموں سے کر بڑھایا گیا وہاں * ایسا نشان بنا دیا گیا۔ اور جو لفظ اصل عبری میں نہ تھا۔ وہاں ÷ نشان بنا دیا گیا اور دو نشان ایسے ‡ + بھی اُس نے اپنی کتاب میں بعض بعض مقامات پر بنائے تھے۔ مگر معلوم نہ ہو سکا کہ ان سے اس کا کیا مقصد تھا" اس کتاب کے مرتب کرنے میں اُس کے (۲۸) سال صرف ہوئے۔ بعد میں دو یونانی ترجمے اسے اور دستیاب ہو گئے جنہیں شامل کر کے اُس نے اپنی کتاب کو آٹھ خانوں والی بنا کر اس کا نام آکٹیپلا (OCTAPLA) رکھ دیا۔

اس کے مؤلف اوریجن (origen) کے متعلق اردو تواریخ کلیسا مطبوعہ ۱۸۷۰ء کے صفحہ ۱۶۷ پر درج ہے کہ:" اوریجن کے باب میں اختلاف ہے۔ ایک فریق تو اُسے علم دین میں بڑا عالم تصور کرتا ہے۔ اور دوسرا فریق اُسے اریس اور دیگر بڑے بڑے ملحدوں اور بدعت والوں کی اصل ٹھہرا کر لعنت دیتا ہے بہت باتوں میں وہ پُر خطا اور خطرناک ہادی ثابت ہوا" یہ وہی اوریجن ہیں جن کی رائے کے بموجب مذہبی بحث میں عیسائیوں میں جھوٹی دلیلیں پیش کرنا ثواب ٹھہرایا گیا (دیکھو رومن تواریخ کلیسا صفحہ ۹۰) اور اسی ضمن میں وہ جعلی تصانیف بھی وجود میں آئیں جو بکثرت لکھی گئیں یہ وہی اوریجن ہیں جن کے نام سے بُت پرست بھی اپنی کتابیں مشہور کرتے تھے۔ (دیکھو نارتھ انڈیا ٹریکٹ سوسائٹی کی کتاب "طلوع آفتاب صداقت" مطبوعہ مرزا پور ۱۸۶۰ء صفحہ ۲۲۳)

اس تالیف میں اوریجن نے تین کام کئے۔ (۱) ترجمہ کیا۔ (۲) مختلف ترجموں کا مقابلہ کیا۔ (۳) تفسیر کی۔ یورپین مصنفین بکثرت اس جانب گئے ہیں کہ تفسیر میں اس سے بہت غلطیاں ہوئیں اور وہ عبرانی زبان میں دقوف کامل نہ رکھتا تھا مضامین توریت کی شرح اس نے اپنی ہی عجیب الخیالی

کے مطابق کی ہے۔ اُس پر توہمات کا غلبہ تھا۔ اور اسی کے تحت میں وہ تفسیر کرتا تھا۔ بکثرت غلطیاں کھاتا تھا۔ اور بقول ریورنڈ ہارن کے جہاں غلطی کھاتا تھا۔ ایسی کھاتا تھا کہ کبھی کسی نے نہیں کھائی۔ ہارن صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ اوریجن کی کتاب کی بار بار نقلیں ہوئیں اور اس بے احتیاطی سے نقلیں ہوئیں کہ دو چار ہی برس میں جو امتیازی نشانات اوریجن نے اپنی اصلی تالیف میں لگائے تھے وہ جاتے رہے اور علامات اختلافات ترجمہ و تفسیر ترک کردئے گئے جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اصل ترجمہ اور عبارات تفسیر میں امتیاز اُٹھ گیا۔ اور اصل و زوائد کی شناخت ناممکن ہوگئی۔ آیندہ کے لئے بھی کوئی امید نہ رہی کہ ان ترجموں میں حق کو باطل سے جُدا کردیا جائے۔ کیونکہ یہ صورت اب محال ہوگئی ہے۔

قسطنطین رومی کے عہد میں جب دین عیسوی شاہی مذہب قرار پایا تو پاپائے روم دماسوس نے ۳۸۲ء میں سینٹ جرومی (ST. JEROME) کو تورات و اناجیل کا رومی زبان میں ایک مستند ترجمہ مرتب کرنے کے لئے مقرر کیا چنانچہ ۳۹۴ء میں اس نے اپنا رومی ترجمہ پیش کیا جو ولگیٹ (VIIL GATE) کے نام سے مشہور ہوا۔ اس بیچارے نے اپنی طرف سے بہت کوشش کی کہ ترجمہ صحیح اور قابل اعتماد ہو مگر وہ کیا کرتا اور کیا کرسکتا تھا۔ کتب مقدسہ کے اصلی اور صحیح نسخے مفقود تھے۔ مروجہ نسخے غلطیوں سے پُر تھے۔ اور بقول ہارن صاحب کے اس زمانہ میں ناممکن ہوگیا تھا کہ صحیح اور الحاقی عبارات میں امتیاز ہو سکے۔ ابتداءً کلیساؤں نے اس ترجمہ کو معتبر نہ سمجھا مگر بعد میں کلیسائے روم نے اسے قبول کر لیا اور کونسل آف ٹرینٹ (COUNCIL of TRENT) نے اسے "مستند" قرار دیدیا۔

تواریخ کلیسا مطبوعہ جنیپٹ مشن پریس کلکتہ ۱۸۴۹ء کے صفحہ ۱۱۴ پر لکھا ہے کہ "جروم کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ اس نے کتاب مقدس کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا۔ ۷۰۰ء سے ۱۵۰۰ء تک مغربی کلیساؤں میں کوستان خاص کر اسی ترجمہ سے کتاب مقدس کا مطلب سمجھتے تھے۔ کیونکہ اُن ملکوں میں لوگ یونانی اور عبرانی نہیں جانتے تھے"۔ کتاب سوال و جواب مترجمہ پادری پولس سنگھ اور پادری والش صاحب

مطبوعہ الہ آباد مشن پریس ۱۸۶۷ء کے صفحہ ۳ پر سوال ۸ کے جواب میں لکھا ہے کہ: "ایک بزرگ ہیں جروم نامی نے سنہ عیسوی چار سو کے قریب یہ ترجمہ (یعنی لاطینی ترجمہ ولگیٹ) کیا۔ یہ ترجمہ بہت جلدی میں کیا گیا۔ اور بہت سی تبدیلیوں کے باعث سے بگڑ گیا"۔ پادری ٹامسن صاحب لکھتے ہیں کہ اگرچہ جروم کے ترجمہ کی متعدد بار اور مختلف اوقات میں نظر ثانی ہوئی لیکن اس کا ترجمہ ناقص ہی رہا۔

عہد عتیق کا ایک ترجمہ جرمنی زبان میں بھی ایک یہودی عالم جی کتھل ابن اسحاق ابٹرا نے کیا جو ۱۶۷۹ء میں امسٹرڈیم میں طبع ہوا۔ مگر کار تھولٹ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا ترجمہ کرنے والا خدا کو برا کہنے والا اور فریبی تھا جس نے مسیح کے متعلق چند پیشینگوئیوں کو چھپا دیا۔

علاوہ بریں شامی قبطی حبشی اور آرامی زبانوں میں بھی عہد عتیق کے ترجمے ہوئے مگر جو شہرت کہ مندرجہ بالا ترجموں کو حاصل ہوئی وہ ان کے حصہ میں نہ آئی۔

بائیبل کا آخری انگریزی ترجمہ جو آج کل مروّج ہے بادشاہ جیمس کی بائیبل (KING JAME'S BIBLE) کہلاتا ہے۔ یہ بادشاہ ۱۶۰۳ء میں انگلستان کے تخت پر بیٹھا۔ ۱۶۰۴ء میں ہیمپٹن کورٹ کانفرنس (HAMPTON COURT CONFERENCE) منعقد ہوئی جس میں ہر مذہبی گروہ اور فرقہ کے نمائندے شریک ہوئے۔ اور خود بادشاہ صدر رہا۔ علاوہ مذہبی اختلافات کے دیگر مسائل کے جو اس کانفرنس میں پیش ہوئے اس زمانہ کی مروجہ بائیبل پر بھی بکثرت شدید اعتراضات پیش کئے گئے۔ بادشاہ جیمس نے حکم دیا کہ ایک نیا ترجمہ تیار کیا جائے چنانچہ نیا ترجمہ تیار کیا گیا۔ اور اسی بادشاہ کے نام سے منسوب ہوا۔ یہی انگریزی ترجمہ آج کل انگریزی بولنے والی اقوام میں رائج ہے۔ مگر کچھ عرصہ سے اس مشہور ترجمہ پر بھی نہایت شدومد سے اعتراضات ہو رہے ہیں اور یہ الزام لگایا جا رہا ہے کہ اصل سے مطابق ہونے اور خوبی عبارت میں یہ ترجمہ ناقص ہے اور مشکوک ہے اور غلط ہے یہاں تک کہ بڑے بڑے اور اہم امور میں بھی یہ صحیح نہیں۔

اس ترجمہ کے سب سے بڑے دشمن ڈاکٹر گڈس اور جان بیلینی اور سر جیمس بلینڈ ہیں۔ انہوں نے اپنی طول و طویل تحریروں میں ترجمہ پر سخت اعتراضات کئے ہیں، اس میں غلطیاں نکالی ہیں اور ایک نئے ترجمہ کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ جان بیلینی صاحب نے تو اپنی تحریر میں جسے انہوں نے ۱۸۱۸ء میں شائع کیا اس بات کا صاف اقرار کیا ہے کہ ۱۲۸۰ء سے اصل عبرانی متن سے کوئی ترجمہ نہیں ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ چوتھی صدی میں سینٹ جروم نے یونانی ترجمہ سے اپنا رومی ترجمہ کیا۔ اور ان کے رومی ترجمہ سے رومی ولگٹ مرتب ہوا اور رومی ولگٹ سے یورپ کی تمام بقیہ زبانوں میں ترجمے ہوئے اس تقریر سے وہ بائیبل کے ترجموں کی غلطیوں کی ہمیشگی ثابت کرتے ہیں۔

ہر چند سال کے بعد پادریوں کی کمیٹیاں ہوتی ہیں۔ کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں۔ اور جیمس بائیبل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس بائیبل پر نظر ثانی بھی ہوئی اور ریوایزڈ ورشن (REVISED VERSION) عہد جدید کا ۱۸۸۱ء میں اور عہد قدیم کا ۱۸۸۵ء میں طبع بھی ہوا مگر اصلی جیمس بائیبل کے عام اقتدار میں ابھی تک کمی نہیں واقع ہوئی۔ اور وہ لوگوں کی نگاہ میں اپنی جگہ پر برقرار ہے۔ بات در اصل یہ ہے۔ کہ جہاں اصل ہی کا وجود مفقود ہو گیا ہو وہاں ترجموں کی صحت کا اہتمام کیونکر ممکن ہے۔

مسلمانوں کے لئے سبق | ان عبرتناک واقعات میں مسلمانوں کے لئے ایک سبق ہے لوگوں کا اپنی کتب سماوی کی اصلی زبان سے بے تعلق اور اجنبی رہنا اور محض ترجموں میں الجھے رہنا صحیح ہیئت کی برقراری کے لئے مہلک ہے۔ جہاں تک کتب سماوی کا تعلق ہے حفاظت مذہب دو چیزوں کی متقاضی ہے تحفظ الفاظ اصلی و تحفظ معنی۔ مسلمانوں میں تحفظ الفاظ اصلی کی اہم خدمت قرآن کے حافظوں کی جماعت انجام دے رہی ہے۔ اور تحفظ معنی کی مفید تر خدمت کے لئے ہر ملک میں جہاں مسلمان بستے ہوں اور ہر زمانہ میں قابل علماء کی ایک معتبر جماعت کی ضرورت ہے۔ جو اس زبان میں بھی

کامل دستگاہ رکھتے ہوں جس میں قرآن نازل ہُوا اور اس زبان پر بھی پوری قدرت رکھتے ہوں۔ جو اس ملک میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

خدا ان مسلمان علماء کو اجرِ عظیم عطا فرمائے جنہوں نے ہمیشہ اس امر پر زور دیا کہ قرآن شریف کا ترجمہ لازمی طور پر عربی متن کے ساتھ شائع کیا جائے۔ کتب مقدسہ کے ترجموں کو متن سے معرّا کرکے چھاپنا نہایت مخدوش نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ ترجمہ کبھی اصل کی برابری نہیں کرسکتا بالخصوص کتب منزل من اللہ کا ایسا ترجمہ جس میں اصلی زبان کی خوبی پیدا ہو محال ہے اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا کی رو سے عربی کو قرآن کے ساتھ نہایت قوی اور مستقل تعلق ہے۔ دراصل قرآن وہی ہے جو عربی زبان میں نازل ہُوا کسی اور زبان میں اس کے مطالب و معانی کا بیان قرآن نہیں۔ بلکہ قرآن کا ترجمہ یا قرآن کی تفسیر ہے۔ نہایت متبرک اور قابلِ قدر ہیں وہ لوگ جو قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، قرآن کو حفظ کرتے ہیں، قرآن کے دَور کرتے رہتے ہیں، قرآن کے تحفظ الفاظ میں کوشاں رہتے ہیں اور اس میں ایک زبر ایک زیر ایک شوشہ تک کا تغیر نہیں ہونے دیتے۔ نہایت برکت والے ہیں وہ لوگ اگرچہ وہ یا ان میں سے بعض قرآن کے معنی پر عبور نہ رکھتے ہوں معنے کے نہ سمجھنے سے وہ صرف اپنی ذات کو برکات معانی سے محروم رکھتے ہیں مگر امت محمدیہ کی ایک بہت بڑی خدمت ضرور انجام دیتے ہیں اور بقدر اس خدمت کے ثواب کے یقینی مستحق ہیں معانی کی اہمیت سے انکار نہیں بلکہ جن الفاظ پر ان معانی کا دارومدار ہے ان کے تحفظ کی اہمیت سے یہاں بحث ہے مزید برآں ایک بات اور بھی ہے جس کے سمجھنے کا ہر شخص اہل نہیں کیونکہ پیام محبوب کی صورت ملفوظی میں از خود رفتگی پیدا کرنے والی جو خوش ادائیاں ہوتی ہیں۔ ان سے افسوس ہے کہ وہ قلوب آشنا نہیں ہوسکتے جنہیں وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کی بزم الفت تک ابھی رسائی نہیں۔

تورات پر ایک اجمالی نظر

توریت اور دیگر کتب عہد عتیق کی ہیئت مجموعی پر مضامین ماقبل میں کافی حد تک اجمالی نظر ڈالی جا چکی ہے، اعداء کے ہاتھوں سات مرتبہ ان کی پوری بربادی اور احباب کے ہاتھوں ان میں تحریفات و تغیرات و تبدلات کے قصے آپ سُن چکے ہیں اب ان کتابوں پر فرداً فرداً تفصیلی نظر ڈالنا باقی ہے گر اس کے لئے ضخیم مجلدات کی ضرورت ہے۔ اس لئے سر دست یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشتے نمونہ از خروارے صرف چند کتابوں کے مضامین پر کسی قدر تفصیلی نگاہ ڈال کر یہ تبلا دیا جائے کہ ان کتابوں کی اندرونی شہادت ہمیں کس نتیجہ کے نکالنے پر مجبور کرتی ہے۔

جن کا یہ دعوے ہے کہ موجودہ مروجہ توریت موسٰی علیہ السلام کی الہامی تصنیف ہے ان کے دعوٰی کی تائید اس توریت سے نہیں ہوتی کیونکہ ان کتابوں میں موسٰی علیہ السلام کی طرف کوئی متکلم کی ضمیر نہیں پائی جاتی۔ بلکہ غائب کی ضمیر استعمال کی گئی ہے۔ مثلاً خروج باب ۳ میں درج ہے کہ:۔ "۱۔ اور موسٰی اپنے سسر تیرو کے جو مدین کا کاہن تھا نگہبانی کرتا تھا۔" "۳۔ تب موسٰی نے کہا کہ میں اب نزدیک جاؤں اور اس بڑے منظر کو دیکھوں کہ یہ بوٹا کیوں نہیں جل جاتا۔" "۱۱۔ موسٰی نے خدا کو کہا میں کون ہوں جو فرعون کے پاس جاؤں۔" "۱۴۔ خدا نے موسٰی کو کہا کہ میں وہ ہوں جو میں ہوں۔" "۱۵۔ پھر خدا نے موسٰی کو کہا کہ تو بنی اسرائیل سے یوں کہیو کہ......"۔ اس قسم کی مثالیں توریت میں بکثرت موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عبارات کا لکھنے والا موسٰی علیہ السلام سے غیر کوئی اور شخص ہے یہاں کسی کو یہ مغالطہ نہ ہو کہ تصنیف و تالیف میں اس زمانہ کا انداز بیان ہی یہ تھا۔ کیونکہ یہ خیال غلط ہے۔ بائیبل خود شہادت دیتی ہے کہ اس زمانہ میں بھی مصنف اپنی تصنیف

میں اپنے لئے غائب کی ضمیر استعمال نہ کرتا تھا بلکہ متکلم کی ضمیر استعمال کرتا تھا چنانچہ دیکھو واعظ کی کتاب باب ۱ آیہ ۱۲ و ۱۳ "میں واعظ یروشلم میں بنی اسرائیل کا بادشاہ تھا۔ اور میں نے اپنا دل لگایا کہ جو کچھ آسمان کے نیچے کیا جاتا ہے اُس سب کی تفتیش و تحقیق کروں"۔ آیہ ۱۶ میں ہے کہ "میں نے یہ بات اپنے دل میں کہی"۔ اسی طرح زبور اور امثال سلیمن اور کتاب نحمیاہ اور یرمیاہ اور حزقی ایل اور ہزاروں دیگر مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کتابوں میں اس زمانہ کا انداز بیان صاف بتلاتا تھا کہ مصنف اپنا حال بیان کر رہا ہے یا کسی غیر کا۔ مگر توریت میں موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہر جگہ غائب ہی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور عبارت کی کسی بات سے ثابت نہیں ہوتا کہ موسیٰ علیہ السلام موجودہ مروجہ توریت کے مصنف ہوں۔

علاوہ ازیں ان کتابوں میں بعض ایسے واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں جن کا وقوع کلی طور پر موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا۔ اس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتابیں حضرت موسیٰ کی تصنیف سے نہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں :-

کتاب پیدائش باب ۱۳ آیہ ۱۸ میں لکھا ہے کہ :" اور ابرہام نے اپنا ڈیرہ اُٹھایا اور ممرے کے بلوطوں میں جو حبرون (HEBRON) میں ہے جا رہا"۔ اسی کتاب کے باب ۳۵ آیہ ۲۷ اور باب ۳۷ آیہ ۱۴ میں بھی حبرون کا نام آیا ہے جو ایک گاؤں کا نام ہے مگر یہ نام اس گاؤں کا اس وقت رکھا گیا جبکہ بنی اسرائیل نے فلسطین کو فتح کیا۔ اس سے قبل اس کا نام قریہ اربع تھا۔ (دیکھو کتاب یوشع باب ۱۴ آیہ ۱۵) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ "توریت" فتح فلسطین کے بعد لکھی گئی۔ اور فتح فلسطین موسیٰ علیہ السلام کے بعد واقع ہوئی۔

پیدائش باب ۳۵ آیہ ۲۱ میں ہے کہ :" پھر بنی اسرائیل نے کوچ کیا اور اپنا خیمہ مجدال عدر کے اس طرف استادہ کیا"۔ عدر ( ) اُس مینارہ کا نام ہے جو یروشلم کے دروازہ پر تھا۔ اور یروشلم کی تعمیر موسیٰ علیہ السلام کے سینکڑوں برس بعد وجود میں آئی۔ تو گویا اس "توریت" کا

لکھنے والا وہ شخص تھا جو موسیٰ علیہ السلام سے سینکڑوں برس بعد پیدا ہوا۔

پیدائش باب ۳۶ آیہ ۳۱ میں ہے کہ:" اور بادشاہ جو ملک ادوم پر مسلط ہوئے پیشتر اُس سے کہ بنی اسرائیل کا کوئی بادشاہ ہو یہی ہیں۔" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب پیدائش بنی اسرائیل میں چند بادشاہ ہو چکنے کے بعد لکھی گئی اور اوّل سموائیل باب ۸ و نیز بائبل کے چند دیگر مقامات کے مطالعہ سے واضح ہو جائیگا کہ یہ بات موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے بعد کی ہے۔

خروج باب ۱۶ آیہ ۳۱ میں ہے کہ:" اور بنی اسرائیل چالیس برس تک جبتک کہ وے بستی میں آئے من کھاتے رہے جبتک کہ وے زمین کنعان کی نواحی میں آئے من کھاتے رہے اور ایک اومر ایفہ کا دسواں حصہ ہے۔" اس سے ظاہر ہے کہ کتاب خروج اس وقت لکھی گئی جبکہ بنی اسرائیل کنعان میں پہنچ چکے تھے۔ اور من کا کھانا موقوف ہو چکا تھا اور ایفہ کا وزن رائج ہو چکا تھا اور مطابق کتاب یشوع باب ۵ آیۃ ۱۱ و ۱۲ کے یہ باتیں موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں واقع نہیں ہوئیں۔

گنتی باب ۲۱ آیہ ۳ میں ہے کہ:" خداوند نے اسرائیل کی آواز سنی اور کنعانیوں کو گرفتار کر دیا۔ اور اُنہوں نے اُنہیں اور ان کی بستیوں کو حرم کر دیا۔ اور اس نے اس مقام کا نام حرمہ رکھا۔" اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس وقت تصنیف ہوئی جب کنعانی قتل ہو چکے تھے۔ اور اُن بستیوں کا نام حرمہ ہو لیا تھا۔ اور قاضیوں کے باب اوّل آیہ ۱۷ کی رو سے یہ واقعات موسیٰ علیہ السلام سے بہت بعد کے ہیں۔

گنتی باب ۲۱ آیہ ۱۴ میں ہے کہ:" اس سبب خداوند کے جنگنامہ میں لکھا ہے کہ خداوند آندھی میں وہیب پر قابض ہوا اور ارنون کی نہروں پر۔" اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کتاب کے مصنف موسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ اس کا لکھنے والا کوئی اور شخص ہے جس نے بعض حالات کو جنگنامہ خداوند سے نقل کیا اور یہ کتاب بقول طامس اسکاٹ مفسر کے کسی اسرائیلی یا بت پرست نے خداوند کے نام

سے تصنیف کی) اور فتحین صیہون کے حالات کو اس میں درج کیا۔ ان فتحین کا وقوع موسیٰ علیہ السلام سے بعد ہوا۔ اور یہ جنگ نامہ بھی حضرت موسیٰ کے بعد کی تصنیف ہے اول تو یہی بات تعجب کی ہے کہ ایک بُت پرست نے خداوند کے نام سے اِس جنگنامہ کو تصنیف کیا۔ اور دوسری اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس جنگ نامہ سے مضامین علانیہ طور پر "توریت" میں نقل کیے جاتے ہیں اور اس توریت کو موسیٰ علیہ السلام کی الہامی تصنیف قرار دیا جاتا ہے۔

گنتی باب ۳۲ آیہ ۴۱ میں ہے کہ: "اور منسی کا بیٹا یائیر نکلا اور اُس نے اس نواحی کی بستیوں کو لوٹ لیا۔ اور اُن کا نام یائیر بستی رکھا۔" و نیز استثنا، باب ۳ آیہ (۱۴) میں ہے کہ: "منسی کے بیٹے یائیر نے ارجوب کی ساری مملکت کو جسوریوں اور معکاتیوں کی نواحی تک لے لیا۔ اور اس نے اپنے پران کا نام یائیر کی بستیاں رکھا اور وہی نام آج تک ہے۔" اوّل تو یائیر کا منسی کا بیٹا ہونا ہی غلط ہے کیونکہ یائیر منسی کا نہیں بلکہ شجوب کا بیٹا ہے (دیکھو اوّل تواریخ باب ۲ آیہ ۲۲) شجوب اولاد یہوداہ میں سے تھا اور منسی اولاد یوسف سے۔ دوم یہ واقعہ یعنی یائیر کا ان بستیوں کو لے لینا موسیٰ علیہ السلام سے بہت مدت بعد کا واقعہ ہے۔ علاوہ ازیں یہ فقرہ کہ "وہی نام آج تک ہے۔" دلالت کرتا ہے کہ "توریت" کا مصنف یائیر کے بھی بہت بعد ہوا۔ ہینری اسکاٹ صاحب اپنی تفسیر میں اس جملہ آخری کا الحاقی ہونا تسلیم کرتے ہیں۔

کتاب استثنا اگر موسیٰ علیہ السلام ہی کی تصنیف ہے جسے آپ نے اپنی دنیا کی اسی زندگی میں تصنیف فرمایا تو اس کتاب کا باب ۳۴ بھی عجیب و غریب باب ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام کے انتقال اور آپ کی قبر اور آپ کے دفن ہونے اور آپ کی عمر کے ایک سو بیس (۱۲۰) برس ہونے اور آپ کے انتقال کے بعد آپ کے غم میں بنی اسرائیل کے تیس دن تک روتے رہنے کا حال درج ہے۔ اور اس باب کی آیہ ۱۰ میں یہ بھی لکھا ہے: "اب تک بنی اسرائیل میں موسیٰ کے مانند کوئی نبی نہیں اٹھا جس سے خداوند آمنے سامنے آشنائی کرتا۔" اس آیتہ میں لفظ "اب تک" جو واقع ہوا ہے اس سے اب کو زمانہ سمجھا جائے اس

باب نے عیسائی مفسرین کو بھی چکر میں ڈال دیا۔ چنانچہ تفسیر ہنری اسکاٹ میں ہے کہ:۔ "کلام موسیٰ باب گذشتہ پر ختم ہوا۔ اور یہ باب (یعنی باب ۳۴) کسی کا لایا ہوا ہے وہ شخص یشوع ہو یا سموئیل یا عزرا یا اُن کے بعد کوئی پیغمبر ٹھیک دریافت نہیں ہوتا۔ اس باب کی پچھلی آیات شائد بابل کی رہائی کے بعد عزرا کے عہد میں لکھی گئی ہوں گی۔" جارج ڈیوالی اور رچرڈ منٹ اور پادری یونس سنگھ اور پادری والش بھی اس موقع پر تقریباً اسی قسم کے الفاظ لکھتے ہیں۔ پادری فانڈر صاحب "اختتام دینی مباحثہ" کے صفحہ ۳۶ پر لکھتے ہیں کہ:۔ "موسیٰ کی پانچویں کتاب کی آخری فصل (یعنی استثنا کا باب ۳۴ جس میں موسیٰ کے وفات کی خبر ہے کسی اور نبی سے اس کتاب میں الحاق ہوئی ہے" سبحان اللہ! کیا حسن ظن ہے الحاق کرنے والے کے نام کا تو ابھی تک صحیح پتہ چلا نہیں صرف اٹکلیں ہی دوڑائی جا رہی ہیں مگر اس کے نبی ہونے کا یقین ہو گیا۔

یہ جو بعض اہل کتاب کا خیال ہے کہ عزرا نے گمشدہ توریت کو دوبارہ لکھ دیا اور اپنے اس خیال کی تائید میں کتاب عزرا کے باب (۹) اور (۱۰) اور کتاب نحمیاہ کے باب (۸) کو پیش کرتے ہیں یہ خیال اُن کا درست نہیں کیونکہ ان ابواب سے بس اسی قدر پایا جاتا ہے کہ عزرا نے بنی اسرائیل کی حرکتوں پر افسوس کیا اور عید وغیرہ سے متعلق اور طہارت و عبادت کی بابت جو احکام شریعت موسوی میں آئے تھے۔ اور جنہیں بنی اسرائیل اسیری بابل کے زمانہ میں بھول چکے تھے اُن میں سے جو کچھ عزرا کو معلوم تھا وہ اُنہوں نے بنی اسرائیل کو سکھا دیا کیونکہ کتاب عزرا باب ۷۔ آیہ ۶ کے مطابق عزرا موسیٰ کی شریعت میں فقیہہ کامل تھا۔ کسی اور مقام اور کسی اور بات سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ موجودہ توریت عزرا یا کسی اور نبی کی لکھی ہوئی ہو۔ مضمون نمبرا میں صراحت کر دی گئی ہے کہ مروجہ توریت ان پانچ کتابوں پر مشتمل ہے:۔ (۱) پیدائش (۲) خروج (۳) احبار (۴) گنتی (۵) استثناء۔ انہیں اہل کتاب خمیس موسیٰ کے نام سے نامزد کرتے ہیں مگر حقیقتاً یہ کتابیں کسی ایک شخص کی لکھی ہوئی نہیں بلکہ ان کا ماخذ مختلف تحریرات ہیں اور اُن میں اگر غور کیا جائے تو باہمی تخالف و تباین صاف نظر آتا ہے مثلاً کتاب پیدائش باب ۲۲ آیہ ۱۴

میں ہے۔ کہ ابراہیم نے اس مقام کا نام جہاں اپنے بیٹے اسحٰق کی قربانی کرنا چاہی تھی "یہواہ یری" رکھا لیکن خروج باب ۶ آیہ ۲ میں خدا فرماتا ہے کہ ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب مجھے "خدائے قادر مطلق" کے نام سے جانتے تھے اور "یہواہ" کے نام سے واقف نہ تھے۔ استثنا باب ۵ آیہ ۲۲ میں ہے کہ خداوند نے دو لوحوں پر احکام لکھدیئے اور اس سے زائد نہ فرمایا۔ لیکن خروج باب ۲۰ آیہ ۱۷ سے پتہ چلتا ہے کہ اور بھی احکام بڑھائے گئے۔ پیدائش باب ۶ آیہ ۶ میں ہے کہ خدا انسان کو پیدا کر کے پچھتایا۔ مگر گنتی باب ۲۳ آیہ ۱۹ میں ہے کہ خدا آدم زاد نہیں جو پچھتاوے۔ استثناء باب ۵ آیہ ۹ میں خداوند کا یہ قول درج کیا گیا ہے کہ میں باپ دادوں کی بدکاری کا بدلہ ان کی اولاد سے تیسری اور چوتھی پشت تک لیتا ہوں مگر اسی کتاب کے باب ۲۴ آیہ ۱۶ میں ہے کہ اولاد کے بدلے باپ دادے نہ مارے جائیں نہ باپ دادوں کے بدلے اولاد قتل کی جاوے پیدائش باب اول کی رو سے پہلے جانور پیدا ہوئے اور بعد میں انسان۔ مگر اسی کتاب کے دوسرے باب کی رو سے پہلے انسان کی پیدائش ہے پھر حیوان کی۔ اس قسم کے "اختلافات" خمیس موسیٰ میں بکثرت پائے جاتے ہیں اور اسی بنا پر زمانہ حال کے محققین یورپ بھی ان کتابوں کے مختلف ماخذ ہونے کو تسلیم کرتے ہیں۔

کتاب عزرا گو بعض علماء موجودہ توریت کو عزرا کی جمع کردہ کتاب تصور کرتے ہیں مگر غاشہ کی بات تو یہ ہے کہ خود عزرا کی کتاب جو بائیبل میں شامل ہے عزرا کی لکھی ہوئی نہیں ہے بلکہ مفتاح الکتاب لنڈن ٹریکٹ سوسائٹی کے صفحات ۳۲ و ۳۳ کی رو سے پہلی اور دوسری تواریخ اور عزرا اور نحمیاہ اور آستیر اور ملاکی نبیا شمون الصادق کی لکھی ہوئی ہیں اور ان چھ کتابوں کی تصنیف کا وقت دوسو بانوے (۲۹۲) برس قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے۔ یعنی عزرا سے قریب ڈیڑھ سو (۱۵۰) سال بعد کتاب عزرا کو شمون نے لکھا۔ اس کتاب پر تنقیدی نظر ڈالنے سے بھی پورا یقین ہوجاتا ہے کہ یہ حضرت عزرا کی تصنیف کسی صورت سے نہیں ہوسکتی۔ بلکہ ان کے حالات میں شمون نے چند سُنی سُنائی باتیں لکھدیں۔ یہی حال ملاکی نحمیاہ اور آستر کی کتابوں کا بھی ہے۔

کتاب یشوع کچھ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت یشوع کی کتاب کس کی تصنیف ہے ڈاکٹر لائٹ فٹ کے نزدیک فخاس کی اور کالون کے نزدیک الغاذر کی اور ہنری کے نزدیک یرمیاہ کی اور ردانطس کے نزدیک سموئیل کی یہ تصنیف ہے۔ پادری بونس سنگھ اور پادری واٹش اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳ پر گمان کرتے ہیں کہ پچھلی پانچ آیتوں کے سوا باقی کل کتاب یوشع نے لکھی۔ لیکن یہ صرف گمان ہے یقین نہیں۔ مضامین کتاب پر تنقیدی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف یا تو مصنف کتاب سیر کا ہمعصر ہے یا داؤد علیہ السلام کے زمانہ کے بعد یعنی حضرت یشوع کے سینکڑوں برس بعد پیدا ہوا۔

قاضیوں کی کتاب اس کتاب کے مصنف کا بھی صحیح حال معلوم نہیں۔ بعض لوگ سموئیل کو قاضیوں کی کتاب اور روت کی کتاب کا مصنف خیال کرتے ہیں مگر یہ محض اٹکل ہے نہ کہ امر یقینی۔

کتاب ایوب اس کتاب کے متعلق عیسائی علماء نے جو کچھ تحریر کیا ہے اسے دیکھ کر اس نتیجہ پر آنا پڑتا ہے کہ یہ لوگ نہ صرف اس کتاب بلکہ ایوب علیہ السلام کے صحیح حالات تک سے باخبر نہیں۔ بعض الیہو کو بعض موسیٰ کو اور بعض ایوبؑ کو اس کا مصنف خیال کرتے ہیں مگر اسی کتاب کے باب ۳۲ آیہ ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ الیہو حضرت ایوبؑ سے تقریر کرنے والوں میں تھا نہ کہ مصنف کتاب۔ موسیٰ علیہ السلام بھی اس کتاب کے مصنف نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ عیسائی مصنفین ہی کی تحقیقات کی رو سے ایوب علیہ السلام کا زمانہ موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے گذرا۔ مفتاح الکتاب کے صفحہ ۹۱ پر لکھا ہے کہ اکثر مفسرین نے ایوب علیہ السلام کا زمانہ ابراہیم علیہ السلام سے قبل ٹھیرایا ہے اور لکھا ہے کہ ایوب اس زمانہ کا نور تھا جو نوح اور ابراہیم کے درمیان گذرا۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۵ پر یہ بھی درج ہے کہ کتاب ایوب (۲۱۸۰) یا (۲۱۳۰) برس قبل مسیح تصنیف ہوئی ایسی صورت میں موسیٰ علیہ السلام اس کتاب کے مصنف نہیں ہو سکتے۔ ٹامس اسکاٹ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایوب علیہ السلام کی اس کتاب کو عربی زبان سے عبرانی زبان میں ترجمہ کیا لیکن اس کا کوئی معقول ثبوت پیش نہیں کرتے۔ اگر بفرض محال اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی یہی کہنا پڑیگا کہ اصل عربی

نسخہ مفقود ہے اور صرف ترجمہ موجود ہے جس کی صحت کی بابت کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ جس میں غلطیوں کا احتمال قوی ہے کتاب کے مضامین پر اگر غور کیا جائے تو حضرت ایوب کی تصنیف بھی اسے نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اس میں ایوب علیہ السلام کا نام ہر جگہ بصیغہ غائب آیا ہے ٹامس اسکاٹ کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں میں ایوب علیہ السلام کے متعلق بھی اختلاف ہے بعض انہیں نسل ابا و سے بتلاتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی نسل اور ان کی تیسری بی بی قطورہ سے ہیں۔ اور بعض کا قول ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ناحور کی اولاد سے ہیں۔ غرضیکہ نہ صرف کتاب ایوب بلکہ ایوب علیہ السلام کا حال بھی اہل کتاب کو تحقیقی طور پر معلوم نہیں۔ علاوہ اس کے اگر ان اقوال میں سے ایک بھی قول صحیح نکلا تو لازم آئے گا کہ حضرت ایوب بنی اسرائیل میں سے نہ تھے اور ثابت ہو جائیگا کہ نبوت خاندان بنی اسرائیل میں محدود نہیں۔

زبور | مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق زبور وہ صحیفہ سماوی ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے داؤد علیہ السلام پر نازل ہوا لیکن جو زبور کہ موجودہ مجموعہ کتب عہد عتیق میں شامل ہے وہ ایک مرتبان ہے چوں چوں کے مربے کا جس میں متعدد مختلف مصنفین کی قابلیت کی چاشنیاں مجتمع ہیں تمہیدی باب کسی عیسائی کا لکھا ہوا ہے۔ اور بقول پادری جوسف اوون کے ایک زبور کے مصنف موسیٰ علیہ السلام ہیں، جو کہ داؤد علیہ السلام سے قریب پانچ سو برس پہلے مبعوث ہوئے تھے، بہتر (۷۲) زبوروں کے مصنف داؤد علیہ السلام، دو زبوروں کے مصنف سلیمان علیہ السلام، بارہ زبوروں کے مصنف آصف ایک زبور کے مصنف ایتان، گیارہ زبوروں کے مصنف بنی قرح اور اکیاون (۵۱) زبوروں کے مصنف نامعلوم ہیں یہ سب مل کر ایک سو پچاس (۱۵۰) زبوریں ہوئیں جو کہ موجودہ مجموعہ میں درج ہیں بلحاظ مصنفین کے ان زبوروں کی ترتیب بھی بے تکی اور بے اصول واقع ہوئی ہے۔

سموائیل | سموائیل کی دونوں کتابوں کے مصنف کا حال بھی معلوم نہیں مفتاح الکتاب کے صفحہ ۸۰ پر

ہے کہ ان دونوں کتابوں کا نام سموئیل اس لئے رکھا گیا کہ اس مشہور نبی نے پہلی کتاب کے اکثر باب تصنیف کئے چنانچہ ربیوں کی روایت سے معلوم ہوا کہ پہلی کتاب کے چوبیس باب جن میں سموائیل کی پیدائش اور اعمال و احوال کا بیان ہے خود اسی نبی کے لکھے ہوئے ہیں اور اس کتاب کے باقی باب اور دوسری کتاب بالکل جاد اور ناتن نبیوں نے لکھی۔ چنانچہ اول سموئیل باب ۲۵ آیہ ۱ میں حضرت سموئیل کی وفات کا ذکر ہے اب کون کہہ سکتا ہے کہ اول کتاب سموئیل از باب ۲۵ تا آخر کتاب اور پوری کتاب دوم سموئیل کو حضرت سموئیل نے اپنی وفات کے بعد تصنیف کیا۔ ان دونوں کتابوں پر تنقیدی نظر ڈالنے سے بکثرت ایسے واقعات ان میں ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کتابوں کے مصنف نہ حضرت سموئیل ہیں نہ حضرت جاد نہ حضرت ناتن۔

سلاطین سلاطین کی دونوں کتابوں کے متعلق بھی اسی قسم کی بحث ہے عیسائی مفسرین ہیں ان کے مصنفوں کے متعلق اختلاف ہے اور کتابوں کے مضامین ان مفسرین کے بیان کی تائید نہیں کرتے۔

واعظ کتاب واعظ عام طور پر سلیمان علیہ السلام کی سمجھی جاتی ہے۔ مگر یہودیوں کا ایک بہت بڑا عالم رب قمچی اسے یسعیاہ کی تصنیف کہتا ہے بعض علما اسے تصنیف خرقیاہ قرار دیتے ہیں علماء جرمنی کا خیال ہے کہ قید بابل کے بعد یہ تصنیف وجود میں آئی یعنی سلیمان علیہ السلام سے قریب چار سو برس بعد

امثال سلیمان اس کتاب کے باب ۲۵ آیہ ۱ میں ہے کہ: "یہ بھی سلیمان کے امثال ہیں جنہیں شاہ یہودا حزقیاہ کے رفیقوں نے نقل کیا" یعنی سلیمان علیہ السلام کے تین سو برس بعد۔ اور آیت مندرجہ بالا بھی حزقیاہ کے رفیقوں کے بعد کی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں ان کا ذکر بصیغہ غائب آیا ہے۔ اسی کو الحاق کہتے ہیں امثال کے آخری دو باب آجور اور لموئیل کے تصنیف کئے ہوئے ہیں اور ان دونوں اشخاص کا حال اہل کتاب کو بھی صحیح طور پر معلوم نہیں صرف اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔ ہولڈن کا خیال ہے کہ لموئیل سلیمان علیہ السلام کا نام ہے۔ ہینری واسکاٹ اپنی تفسیر میں اس خیال کی تردید کرتے ہیں۔

سلاطین اوّل باب ۴ آیہ ۳۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمٰن علیہ السلام نے تین ہزار امثال بیان کیں لیکن یہ امثال سب کی سب موجودہ کتاب امثال میں درج نہیں اس سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ صرف یہی نہیں کہ کتاب امثال میں چند ابواب بعد میں بڑھا دیئے گئے بلکہ اصل کتاب بہت کچھ ضائع بھی ہو چکا ہے یعنی دونوں طرح کی آفتیں اس کتاب پر نازل ہوئیں بڑھانے کی بھی اور گھٹانے کی بھی۔

اس سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابل غور ہے کتاب واعظ اور کتاب امثال سلیمان علیہ السلام کے بڑھاپے کے زمانے کی تصنیف بیان کی جاتی ہیں اور بڑھاپے میں جو اُن کی کیفیت تھی وہ کتاب سلاطین اوّل باب ۱۱ میں بالتفصیل درج ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

"سلیمٰن بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں کو چاہتا تھا اور یہ عورتیں ان بُت پرست اقوام کی تھیں جن کی بابت خداوند نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ نہ تم ان کے پاس جاؤ نہ وہ تمہارے پاس آویں ورنہ وہ یقیناً تمہارے دلوں کو اپنے باطل معبودوں یعنی بتوں کی طرف مائل کر دینگی مگر سلیمان انہیں سے عاشق ہو کر لپٹا۔ اس کی سات سو بیگمات اور تین سو خواص تھیں جنہوں نے بڑھاپے میں اس کے دل کو خدا کی طرف سے برگشتہ کر کے بتوں کی طرف مائل کر دیا اس نے بیت المقدس کے مقابلے میں بُت خانہ بنوایا اور بتوں کو پوجنے لگا۔ اس لئے خداوند سلیمان پر غضب ناک ہوا۔"

اب اگر اس تمام کذب بیانی اور بیہودہ گوئی کو مان لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک بت پرست جس پر خدا غضب ناک ہو الہام یافتہ ہو سکتا ہے؟ اور کیا اس کی الہامی کتابیں اللہ کی طرف سے نازل ہو سکتی ہیں؟ اگر یہ کتابیں یا ان میں سے ایک بھی الہامی نہیں تو طمطاؤس باب ۳ کی آیہ ۱۶ غلط ٹھیر گئی جس میں اطمینان دلایا گیا ہے کہ عہد عتیق کی ہر کتاب الہام سے ہے اور لوگوں کی تعلیم و تربیت واصلاح کے لئے آئی ہے۔

غزل الغزلات | اب کتاب غزل الغزلات کا بھی حال سُن لیجئے ٹامس اسکاٹ اپنی تفسیر میں اس کتاب

کے متعلق پہلے یہ لکھتے ہیں کہ :-

"تحقیقی طور پر معلوم ہوا کہ اس کتاب کے مصنف سلیمان ہیں جیسے امثال اور واعظ کے اور ہمیشہ اسے ایسا سمجھنا چاہئے جیسے پاک کتاب۔ پس جس طرح اور الہامی کتابوں کو پڑھتے ہیں اسی طرح (یعنی عقیدت و ادب سے) اس کو بھی پڑھنا چاہئے کیونکہ یہ کتاب بھی مثل اور کلام الٰہی کے ہے۔"

پھر یہی مفسر پہلی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :-

سلیمٰن نے بہت سی غزلیں کہیں ان میں بیشک سب بہت دانشمندی کی تھیں لیکن صرف یہی مقدس غزلیں بچ رہیں اور کتب مقدسہ میں شامل کی گئیں۔"

مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ:"حضرت سلیمٰن نے جب کہ فرعون کی بیٹی سے ان کی شادی ٹھیری یہ پاک غزلیں تصنیف کیں۔"

سلاطین اوّل باب ۴ آیہ ۳۲ کی رو سے سلیمٰن علیہ السلام نے ایک ہزار پانچ (۱۰۰۵) گیت کہے تھے۔ مگر اب ان میں سے صرف اسی قدر باقی ہیں جو کتاب غزل الغزلات میں شامل ہیں اور اس پوری کتاب میں آج کل صرف آٹھ ہی مختصر ابواب پائے جاتے ہیں جن میں کل ایکسو سترہ (۱۱۷) آیات ہیں۔ اہل کتاب کا اتفاق ہے کہ بقیہ گیت ضائع ہو گئے۔ اس سے عہد عتیق کی کتب مقدسہ کی بربادی کے قصول کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ ہم نے اپنے مضمون کے نمبر ا میں ان کتابوں کی بربادی کے واقعات رجعام شاہ یہود کے عہد (۹۷۱ قبل مسیح) سے بیان کئے ہیں اور بقول علمائے اہل کتاب حضرت سلیمٰن کی کتاب غزل الغزلات کی تصنیف رجعام کے عہد سے قبل (۱۰۱۲ قبل مسیح) میں ہوئی۔ کیا عجب ہے کہ ان بربادیوں کے واقعات کا عدد جو ہم نے سات یا آٹھ بیان کیا ہے وہ حقیقتاً اس سے بھی زاید ہو۔

اس سلسلہ میں جو اہم بات قابل غور بات ہے یہ کہ استثنا باب ۷ آیہ ۲ و ۳ کی رو سے بنی اسرائیل کو

غیر اقوام کے لوگوں اور اجنبی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا ناجائز ہے۔ ایسی صورت میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ خدا نے خود ہی تو بنی اسرائیل کو اجنبی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی ممانعت فرمائی اور خود ہی فرعون کی بیٹی کے ساتھ شادی کرنے میں حضرت سلیمان کو عاشقانہ غزلوں کا الہام فرمایا۔

بعض عیسائی کہتے ہیں کہ اس کتاب میں استعارہ کے طور پر مسیح اور کلیسا کی محبت باہمی کا بیان ہے مگر غزل الغزلات میں اس کا کوئی قرینہ نہیں پایا جاتا۔ ساری کتاب حسن و عشق کے مضامین سے پر ہے جن میں مجاز کا پہلو غالب ہے۔ اور اول سے آخر تک خدا کا کہیں ذکر تک نہیں آیا ہم چاہتے تھے کہ اس "مقدس الہامی کتاب" کے چند اقتباسات یہاں درج کرتے تاکہ ناظرین خود ہی فیصلہ کر لیتے اور انہیں اطمینان ہو جاتا کہ ان مضامین کو مسیح اور کلیسا کے عشق باہمی سے بہت بُعد ہے۔ لیکن یہ کتاب اس درجہ مقدس واقع ہوئی ہے کہ اس کے دو چار فقرے بھی یہاں درج کر دیئے جائیں تو یہ مضمون ہمارے ملک کی شریف خاتونوں اور ہمارے بھولے اور معصوم لڑکوں کے پڑھنے کے قابل نہ رہے اس لئے جو حضرات ان الہامی برکات سے متمتع ہونا چاہتے ہیں وہ کتاب غزل الغزلات ہی کی سیر فرمائیں مگر حق بات یہ ہے کہ حضرت سلیمٰن علیہ السلام کی شان بہت ارفع ہے اس سے کہ یہ کتاب اُن سے منسوب کی جاوے۔

آستر آستر کی کتاب جو کہ الہامی نوشتوں میں شامل ہے عجیب قسم کی الہامی کتاب ہے جس میں کہیں خدا کا نام آیا ہے نہ کسی نبی کا ذکر ہے نہ پند ہیں نہ نصائح بلکہ ایران کے ایک بت پرست بادشاہ کی عیاشی اپنی ٹی اور حرامکاری کے واقعات اس میں درج ہیں۔ بادشاہ عیش و عشرت کا ایک جشن مقرر کرتا ہے۔ اس کے سب امراء اور عہدہ دار اُس میں شریک ہوتے ہیں شراب کا دور چلتا ہے بادشاہ شراب کی مستی میں حکم دیتا ہے کہ ملکہ جو کہ نہایت حسین عورت ہے زیب و زینت سے آراستہ ہو کر اس محفل جشن میں حاضر ہو تاکہ سب درباری اُس کے حسن و جمال کو دیکھیں اور اس شمع حسن کے پروانہ بنیں مگر ملکہ اس حکم کی تعمیل سے انکار کرتی ہے بادشاہ اس حکم عدولی پر غضب آلود ہوتا ہے اور ملکہ کو معزول کر دیتا ہے اس کے بعد

بادشاہ کا دل بہلانے اور اس کی تفریح کے لئے سلطنت کے ہر کونے اور ہر صوبے اور ہر شہر سے سینکڑوں کی تعداد میں نوجوان خوبصورت اور باکرہ لڑکیاں چھانٹ چھانٹ کرلائی جاتی ہیں اور خواجہ سرا کے سپرد کی جاتی ہیں جو زیب و زینت سے ان لڑکیوں کو آراستہ کرتا ہے۔ پھر وہ لڑکیاں باری باری سے شام کو بادشاہ کے محل میں داخل ہوتی ہیں اور صبح کے وقت وہاں سے رخصت ہوتی ہیں اور دوبارہ ان کے محل میں داخل ہونے کی نوبت نہیں آتی تاوقتیکہ کسی خاص لڑکی کو خاص طور پر بادشاہ دوبارہ طلب نہ کرے۔ اسی سلسلہ میں ایک یہودی کی لڑکی بھی محل شاہی میں داخل ہوتی ہے جو اپنے غیر معمولی حسن وجمال اور اپنی دل کش اداؤں سے بادشاہ کو اپنا غلام بنا لیتی ہے اور بالآخر وہاں کی ملکہ بن جاتی ہے۔ اس یہودی ملکہ کے بادشاہ پر تسلط پالینے کی بدولت یہودیوں کی قوم جو اس ملک میں ذلیل تھی باعزت ہوگئی، غلام تھی آقا بن گئی، مظلوم تھی ظالم ہوگئی، محکوم تھی حاکم ہوگئی۔ اس "نوشتہ الہامی" میں اسرائیلی مبلغین کے لئے شائد کوئی تعلیمی نکتہ مخفی ہو تو ہو مگر متبعین مذہب کی تعلیم و اصلاح کے لئے ایک بھی بات نہیں پائی جاتی۔ اس کتاب کے مطالعہ کے وقت الف لیلہ کے قصوں اور بائیبل میں امتیاز اٹھ جاتا ہے بکثرت عیسائی متقدمین کو بھی اس کتاب کی صحت میں شبہ تھا چنانچہ "ہیرلڈ" اپنی کتاب کے جلد ۲ صفحہ ۷۴۴ پر لکھتے ہیں کہ "سینٹ ملیٹو نے کتب واجب التسلیم کی فہرست میں اس کا نام درج نہیں کیا" "یوسی بیس" اپنی تاریخ کلیسا میں لکھتے ہیں کہ "سینٹ گریگری نازین زین نے اپنے اشعار میں صحیح کتابوں کے نام درج کئے ہیں مگر ان میں اس کتاب کا نام نہیں لائے" پادری یونس نگھ اور پادری دالش اپنی کتاب سوال وجواب میں سوال نمبر ۱۳ کے جواب میں لکھتے ہیں کہ "اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں خدا کا نام مذکور نہیں"۔

کتب بقیہ عہد عتیق کی بقیہ کتب مروجہ کا بھی کم وبیش ایسا ہی حال ہے نہ ان کے مصنفین کا کسی کو یقینی طور پر علم ہے، نہ ان کے ماخذ کی بابت کچھ صحیح طور پر کہا جا سکتا ہے، نہ ان کے متعلق علماء کے

اہل کتاب بالتحقیق یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان میں اصلی حصّہ کس قدر ہے۔ اور الحاقی حصّہ کس قدر؟ اور ان میں سے جو عبارات غائب کردی گئی ہیں وہ کیا کیا ہیں۔ بعض کتابوں کے غیر معتبر ہونے کا اقرار کرنے پر تو عیسائی علماء بھی مجبور ہوگئے ہیں۔ مثلاً نحمیاہ یسعیاہ ذکریاہ روت حبقوق وغیرہم۔ یہ اُن کتابوں کے علاوہ ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ پادری فانڈر صاحب اپنی کتاب "اختتام دینی مباحثہ" کے صفحہ ۳۶ پر لکھتے ہیں کہ:۔ "توریت کے سب صحیفے (جو انتالیس ہیں) نبیوں کے وسیلہ سے لکھے گئے حضرت موسیٰ کے ایام تخمیناً پندرہ سو برس قبل مسیح سے حضرت ملاکی نبی تک کہ چار سو برس قبل مسیح میں تھے مگر بعض صحیفوں کی بابت معلوم نہیں کہ کس نبی کے ہاتھ سے لکھے گئے ہیں مثلاً ایوب روت سلاطین وغیرہ کے حق میں یقین سے نہیں کہہ سکتے۔ کہ کس نبی نے ان کو لکھا ہے اور بعض کتب میں اور نبیوں کی بات بھی داخل ہے مثلاً زبور میں ایسی بھی زبور ہیں جو حضرت داؤد سے نہیں ہیں اور ایسے ہی حضرت موسیٰ کی کتاب کی آخری فصل جس میں موسیٰ کی وفات کی خبر ہے کسی اور نبی سے اس کتاب میں الحاق کی گئی"۔ پھر اسی صفحہ پر آگے چل کر پادری فانڈر صاحب لکھتے ہیں کہ:۔ "نبیوں کے سب گذارشات اور نام اور کلام اور ان کا سب لکھا ہوا بھی توریت میں داخل نہیں ہوا ہے"۔

کذب و افترا ان کتابوں میں اللہ تعالیٰ پر بھی نعوذ باللہ بہت کچھ کذب اور بہتان لگایا گیا ہے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔ نقل کفر کفر نباشد۔ پیدائش باب ۶ آیہ ۶ میں ہے:۔

"خداوند زمین پر انسان کو پیدائش کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا۔ اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا دونگا انسان کو اور حیوان کو بھی اور کیڑے مکوڑے اور آسمان کے پرندے تک کیونکہ میں ان کے بنانے سے پچھتاتا ہوں"۔

یہاں اللہ تعالیٰ کو بھی معاذ اللہ ایک انسان سمجھ لیا گیا ہے جو بے سوچے سمجھے ایک کام کر بیٹھتا ہے اور بعد میں پچھتاتا ہے۔ حزقی ایل باب ۳۰ آیہ ۲۵ میں ہے:۔

"سو میں نے انہیں وہ سُنتیں دیں جو بھلی نہ تھیں (یعنی بُری تھیں) اور وہ قوانین دیئے جن سے وہ جیتے نہ رہیں۔"

معلوم ہُوا کہ ان کا خدا اس دنیا میں ایسے احکام بھی نافذ کرتا ہے جن کی تعمیل موجب ہلاکت ہو پیدائش باب ۱۸ آیہ ۲۱ میں ہے:۔

"میں اب اُتر کے دیکھونگا کہ انہوں نے سراسر اُس چلاّنے کے مطابق جو مجھ تک پہنچا کیا ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو میں دریافت کروں گا۔"

یعنی ان کا خدا عالم الغیب نہیں۔ یسعیاہ باب ۳ آیہ ۱۷ میں ہے:۔

"خداوند صیون کی بیٹیوں کی چندیوں کو گنجی کر ڈالے گا اور خداوند ان کی اندام نہانی کو برہنہ کرے گا۔"

سبحان اللہ! ان لوگوں کا تخیل خدا کے متعلق کس قدر غیر سندانہ اور حیا پرور واقع ہُوا ہے۔ صرف اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ کتاب ہوسیع کے باب ۱ آیہ ۲ کو بھی ذرا ملاحظہ فرمائیے:۔

"خداوند نے ہوسیع کو (جو کہ ایک پیغمبر تھے) فرمایا کہ جا اور ایک زناکار عورت اور زنا کے لڑکے اپنے لئے لے۔"

یعنی ایک زانیہ عورت سے زنا کر کے ولد الحرام لڑکے اپنے لئے پیدا کر۔ چنانچہ اس کتاب کا بیان ہے کہ اس حکم کی تعمیل کی گئی، اسی باب میں اس "حکم خداوندی" کے بعد آیہ ۳ میں ہے:۔

"پس اس نے (یعنی ہوسیع نے) جا کر دبلیم کی بیٹی جومر کو لیا۔ وہ حاملہ ہوئی اور بیٹا جنی"

پھر اسی کتاب کے باب ۳ آیہ ۱ و ۲ میں انہیں پیغمبر صاحب سے یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں کہ:۔

"خداوند نے مجھے فرمایا کہ پھر جا اور ایک عورت سے جو اس کے دوست کی پیاری ہے بلکہ زانیہ ہے محبت کر ۔۔۔ سو میں نے اس کو پندرہ چاندی کے سکوں اور ڈیڑھ خومر جو میں اپنے لئے مول لیا۔"

نکاح میں لانے کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ جس قوم نے اپنے خدا کے ساتھ اس قسم کی بیہودگیاں اور گستاخیاں کی ہیں اس کے ہاتھ سے انبیا علیہم السلام کیونکر محفوظ رہ سکتے ہیں چنانچہ ہر مسیح نبی پر زنا کی تہمت کے علاوہ سلیمان علیہ السلام کی غزل الغزلات۔ اور اپنی بُت پرست بیویوں کے اثر سے بڑھاپے میں اُن کے بُت پرست بن جانے کا جو اتہام آپ کی قوم نے آپ پر لگایا اُس کا حال تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں مگر توہین انبیا کے چند اور نمونے بھی ذرا ملاحظہ ہوں۔

۱۔ لوط علیہ السلام پر اتہام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے شراب پی اور نشہ کی حالت میں اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ زنا کیا اور وہ دونوں بیٹیاں اس زنا سے حاملہ ہوئیں اس کی تفصیل کتاب پیدائش باب ۱۹ میں آیہ ۳۰ سے آخر باب تک درج ہے۔ بڑی بیٹی کے جو لڑکا پیدا ہوا اس کا نام موآب رکھا گیا اسی موآب کی نسل سے داؤد علیہ السلام کا پیدا ہونا بھی تسلیم کیا گیا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کا بھی۔ حالاں کہ کتاب استثنا باب ۲۳ آیہ ۱ تا ۳ میں یہ بھی درج ہے کہ کوئی حرامی بچہ خداوند کی جماعت میں داخل نہیں ہو سکتا اور اس کی اولاد دسویں پشت تک خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہوگی۔

۲۔ یہوداہ اپنے بڑے بیٹے عیر کیلئے ایک عورت جس کا نام تمر تھا بیاہ لایا۔ چند روز بعد عیر مر گیا تب یہوداہ نے اپنے دوسرے بیٹے اونان کو حکم دیا کہ:۔ اپنے بھائی کی جورو کے پاس جا اور اپنی بھاوج کا حق ادا کر اور اپنے بھائی کے لئے نسل چلا۔ کچھ دن بعد اونان بھی مر گیا اس کے بعد ایک ایسا موقعہ آتا ہے جب یہوداہ خود اپنی بہو سے زنا کرتا ہے اور اس زنا سے توام لڑکے پیدا ہوئے جن میں سے ایک کا نام پھارس اور دوسرے کا ضارہ رکھا گیا۔ اس افسانہ کی تفصیل کتاب پیدائش باب ۳۸ میں درج ہے تماشہ کی بات یہ ہے کہ یہ وہی پھارس ہیں جو داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے اجداد میں شمار کئے گئے ہیں۔

۳۔ داؤد علیہ السلام پر یہ اتہام کہ انہوں نے اوریاہ کی بیوی کے ساتھ نعوذ باللہ زنا کیا سموئیل دوم کے باب ۱۱ میں بالتفصیل درج ہے جو صاحب اس طرح تولد ہوئے ان کا نام بھی مسیح علیہ السلام کے اجداد کی

فہرست میں داخل کیا جاتا ہے۔

۴۔ ابراہیم علیہ السلام پر جھوٹ بولنے کی تہمت پیدائش باب ۱۲ آیہ ۱۹ میں درج ہے۔

۵۔ اسحٰق علیہ السلام پر جھوٹ بولنے کی تہمت پیدائش باب ۲۶ آیہ ۹ میں موجود ہے۔

۶۔ یعقوب علیہ السلام کا جھوٹ بول کر بڑے بھائی کی برکت خود لے لینا پیدائش باب ۲۷ میں مذکور ہے۔

۷۔ سمردن کے چار سو نبیوں کا نعوذ باللہ خدا کے ایما اور خدا کی بھیجی ہوئی ایک روح کے ورغلانے سے جھوٹ بولنے کی عجیب و غریب کہانی تواریخ دوم باب ۱۸ میں بیان کی گئی ہے۔

۷۔ حضرت نحمیاہ کا فارس کے بُت پرست بادشاہ کی شراب پلانے کی نوکری کرنا اور اسے شراب پلانا۔ اور اس نبی کا اس بادشاہ سے (یعنی غیر اللہ سے) ڈرنا کتاب نحمیاہ باب ۱ آیہ ۱۱۔ اور باب ۲ آیہ ۱ اور آیہ ۲ میں لکھا ہوا ہے۔

۸۔ اسحٰق علیہ السلام کا اپنے بیٹے یعقوب علیہ السلام کے ہاتھ سے شراب پینا اور اس کے بعد اپنے بیٹے کو دعائے برکت دینا بھی کتاب پیدائش باب ۲۷ آیہ ۲۵ میں مندرج ہے۔

۹۔ کتاب پیدائش کے باب ۲۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسحٰق علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اور اسحٰق علیہ السلام ہی ذبیح اللہ تھے۔ مگر یہ اسمٰعیل علیہ السلام پر ظلم ہے تعجب تو یہ ہے کہ اسحٰق علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے ہونے کی تردید اسی کتاب پیدائش سے ہوتی ہے جس کے ابواب ۱۵-۱۶ اور ۱۷ کے مطالعہ سے نہایت صراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام (۸۶) برس کی عمر تک بے اولاد رہے انہیں اولاد کی تمنا ہوئی تو حضرت ہاجرہ کے شکم سے اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے جو ایک عرصہ تک اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے رہے۔ جب ابراہیم علیہ السلام (۱۰۰) برس کے ہوئے تو فضل الٰہی سے آپ کے دوسرے فرزند یعنے اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس سے کتاب پیدائش کے باب ۲۲ کا الحاقی ہونا ظاہر ہے اور اگر یہ

باب الحاقی نہیں تو ابواب ۱۵-۱۶-اور ۱۷ کو الحاقی ماننا پڑے گا۔

۱۰- محرفین توریت نے بہت بڑا غضب یہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام کو کتاب خروج کے باب ۳۲ میں بانیٔ گوسالہ پرستی بنا کر خدا پرستوں کے زمرہ سے خارج کر دیا مگر اسی کتاب کے اسی باب کی آیات ۳۳ و ۳۵ و ۲۸ سے اس اتہام کی صاف تردید ہو جاتی ہے آیہ ۳۳ میں ہے کہ خدا نے موسیٰ سے کہا کہ جس نے میرا گناہ کیا ہے میں اُسی کو اپنے دفتر سے میٹ دونگا اور آیہ ۳۵ میں

ہے کہ خدا نے موسیٰ سے کہا کہ جس نے میرا گناہ کیا ہے میں اُسی کو اپنے دفتر سے میٹ دوں گا اور آیہ ۳۵

میں ہے کہ خدا نے اس بچھڑے کے بنائے جانے کے سبب لوگوں پر مری یعنی وبا بھیجی اور آیہ ۲۸ میں ہے کہ اس دن گوسالہ پرستی کی سزا میں تین ہزار آدمی مارے گئے۔ مگر ہارون علیہ السلام ان تین سزاؤں میں سے کسی ایک سزا کے بھی مستوجب نہ ٹھہرے نہ وہ قتل کئے گئے۔ نہ مری یعنی وبا نے انہیں ستایا نہ خدا کے دفتر سے ان کا نام کاٹا گیا بلکہ متعدد موقعوں پر انہیں برگزیدہ اور مقدس کہا گیا اور انہیں کی نسل میں کاہن کا عہدہ مقرر رہا۔

شاعرانہ مبالغے قطع نظر ان جملہ امور کے جواب تک اس سلسلہ مضامین میں بیان ہو چکے ہیں اگر طرز زبان اور انداز بیان اور عبارت کے وقار اور اس کی متانت کو دیکھا جائے تو مروجہ کتب عہد عتیق نہ کلام الٰہی معلوم ہوتی ہیں نہ انبیا علیہم السلام کے الہامی نوشتے۔ کہیں شاعرانہ مبالغے ہیں کہیں رکیک الفاظ کہیں حیا سوز کلمات جن کی مثالوں کے پیش کرنے کے لئے نہ یہاں موقع ہے نہ گنجائش یہ رکاکت اور بعید از صدق مبالغے عادات انسانی ہی سے متعلق ہیں نہ کہ الہام ربانی سے۔

ناقابل ہدایت عہد عتیق کی کتابوں پر اپنے اس تبصرہ کو ہم ایک عیسائی محقق کے کلام پر ختم کرتے ہیں۔ پادری بیدلی صاحب ایک رومن کیتھولک محقق ہیں جنہوں نے پروٹسٹنٹ فرقہ کے عیسائیوں کو مخاطب کر کے ایک کتاب لکھی ہے جس کا ترجمہ ٹامس انگلس صاحب نے اردو میں کر کے اس کا نام مرآت الصدق رکھا ہے اس کے صفحہ ۱۶۹ پر کتب عہد عتیق و جدید کے ناقابل اعتبار ہونے پر زور دیا گیا ہے اور بالآخر لکھا ہے کہ :-

"اب میں کسی پروٹسٹنٹ سے پوچھتا ہوں کہ بھلا کیا وہ اپنی نجات کی دلجمعی صرف ایک ایسی کتاب کہ ہر دسہ پڑھ سکتا ہے جسے وہ کلام الٰہی ثابت نہیں کر سکتا۔ ایک کتاب جسے وہ سمجھ نہیں سکتا۔ ایک کتاب جسے جُہلا و ضعفاء (یعنی ضعیف اعتقاد والے) اپنی ہلاکت کے لئے پڑھتے ہیں ایک کتاب جس کے اکثر حصے کھوئے گئے ہیں ایک کتاب جو از بس غلطیوں سے بھری گئی اور ناقص کی گئی ہے۔ اور جس میں نجات پانے کی سب ضروری چیزیں نہیں ہیں۔ ایسی کتاب کیا ایمان کا قاعدہ کل و کفیل نجات ہو سکتی ہے؟"

اب ہم اس سلسلہ مضامین کے آئندہ نمبر میں عہد جدید کی کتب مقدسہ پر تنقیدی نظر ڈالیں گے

IMUSMANTAHANIAI

عہد جدید کی کتابوں پر ایک اجمالی نظر

بائیبل کے حصۂ جدید یعنی کتب عہد جدید کی موجودہ فہرست میں ستائیس (۲۷) کتابیں شامل ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں:۔

(۱) متی کی انجیل (۲) مرقس کی انجیل (۳) لوقا کی انجیل (۴) یوحنا کی انجیل (۵) رسولوں کے اعمال (۶) پولس رسول کا خط رومیوں کو (۷) پولس رسول کا پہلا خط قرنتیون کو (۸) پولس رسول کا دوسرا خط قرنتیوں کو (۹) پولس رسول کا خط گلتیون کو۔ (۱۰) پولس رسول کا خط افسیون کو (۱۱) پولس رسول کا خط فلپیون کو (۱۲) پولس رسول کا خط قلسیون کو۔ (۱۳) پولس رسول کا خط تسلونیقیون کو (۱۴) پولس رسول کا دوسرا خط تسلونیقیون کو۔ (۱۵) پولس رسول کا پہلا خط تمطاوس کو۔ (۱۶) پولس رسول کا دوسرا خط تمطاوس کو (۱۷) پولس رسول کا خط طیطس کو (۱۸) پولس رسول کا خط فلیمون کو (۱۹) عبرانیوں کو خط (۲۰) یعقوب کا خط۔ (۲۱) پطرس کا پہلا خط (۲۲) پطرس کا دوسرا خط (۲۷) یوحنا فقیہہ کے مکاشفات کی کتاب۔

کتب غیر مشمولہ | جو معاملات کہ کتب عہد عتیق کے ساتھ پیش آئے۔ کچھ اسی نوع کے بلکہ ان سے بھی زیادہ انوکھے معاملات کتب عہد جدید کے ساتھ بھی پیش آچکے ہیں عیسائی مفسرین و مصنفین ہی کی تحریروں سے پایا جاتا ہے کہ کم از کم ایک سو اٹھاون (۱۵۸) کتابیں ایسی ہیں جو کسی نہ کسی زمانہ میں کسی نہ کسی گروہ کے نزدیک معتبر و مقدس تھیں مگر اب محققین کے نزدیک جعلی اور مجموعہ عہد جدید سے خارج ہیں کم از کم کی قید اس لئے لگائی گئی کہ قوی احتمال ہے کہ اس نوع کی کتابوں کی تعداد اس سے بھی زاید ہو اور ان کا ذکر عیسائی مصنفین کی تحریروں میں نہ آیا ہو یا آیا ہو مگر وہ تحریریں ہم تک نہ پہنچی ہوں جبکہ ان کتابوں کو اہل کتاب ہی نے مجروح کرکے ناقابل اعتماد قرار دیدیا تو ہمیں ان کے نام اور ان کی تفصیل سے ان اوراق کو رنگین کرنے کی کوئی ضرورت نہیں جنہیں ان کے نام دریافت کرنے کا شوق ہو وہ ان کتابوں کو دیکھیں ہمارا زن

صاحب کا "انٹروڈکشن علوم بائبل پر" مطبوعہ لنڈن ۱۸۲۵ء جلد ۱ - لارڈنر صاحب کے ورکس مطبوعہ لندن ۱۸۲۹ء جلد ۴ - جارج سیل کی تحریریں مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء، ہکیبو موادر ایپوکریفل نیوٹسٹیمنٹ مطبوعہ لندن ۱۸۲۰ء - اور عیسائیوں کے مشنری اخبار نور افشاں لدھیانہ کی اشاعت ۲۷ جولائی ۱۸۷۶ء کے صفحہ ۲۳۶ پر پادری ویری صاحب کا مضمون - ہارن صاحب نے اپنے انٹروڈکشن میں اس پر زیادہ مفصل بحث کی ہے وہ اپنی کتاب جلد ا کے صفحہ ۲۴۶ پر لکھتے ہیں کہ کتب غیر مشمولہ میں چند کتابیں ایسی بھی تھیں جن کی بابت بیان کیا جاتا تھا کہ وہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کی لکھی ہوئی ہیں ان کے یہ نام بیان کئے جاتے ہیں ا-

(۱) نامہ بنام آبیگارس (۲) نامہ بنام پٹرو پال (۳) کتاب تمثیلوں اور وعظ کی - (۴) کتاب مناجات مسیح (۵) کتاب سحر (۶) کتاب پیدائش مسیح و مریم (۷) نامے جو آسمان سے گرے (۸) نامہ حضرت مسیح جو سنی کیس نے پیدا کیا -

ر دمن تواریخ کلیسا مطبوعہ مرزا پور ۱۸۵۶ء جلد ۲ کے صفحہ ۳۶ پر درج ہے کہ ۳۰۰ء میں مؤرخ یوسی بیس (EUSIBIUS) نے شہر اودیسہ کے شاہی دفتر میں دو خط پائے جن میں سے ایک خط ابگرس بادشاہ کی طرف سے مسیح کے نام تھا جس میں اس نے ایک شدید مرض میں اپنے مبتلا ہونے کا حال لکھ کر مسیح سے درخواست کی تھی کہ اسے تندرست کر دے اور دوسرا خط مسیح کی طرف سے بادشاہ کے خط کا جواب تھا - مسیح کا یہ خط بھی مروجہ کتب عہد جدید میں شامل نہیں -

اخبار نور افشاں مورخہ ۹ جولائی ۱۸۷۶ء جلد ۲ نمبر ۲۸ صفحہ ۱۲۳ کالم ۳ میں پادری ویری صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"جعلی انجیلوں کے موجود ہونے سے ہم ناواقف نہیں ہیں بلکہ جن جعلی انجیلوں کا ہارن صاحب نے اپنی تصنیف میں حوالہ دیا ہے وہ ہمارے پاس بھی موجود ہیں ان کو بعض

پطیتیوں نے مروج کرنا چاہا تھا مگر نے اپنے فاسد ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔"

جعل فریب کی گرم بازاری | جس زمانے سے یہ جعلی کتابیں متعلق ہیں وہ زمانہ جعل فریب کذب بیانی اور جھوٹی تحریروں کی اشاعت میں اس درجہ شہرہ آفاق تھا کہ عیسائی مصنفوں کو بھی اس کا اعتراف ہے لوقا باب ا آیہ ا تا ۴ میں ہے کہ:-

"چونکہ بہتوں نے کمر باندھی کہ ان کاموں کا جو فی الواقع ہمارے درمیان انجام ہوتے بیان کریں جس طرح سے انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کی خدمت کرنے والے تھے۔ ہم سے روایت کی۔ میں نے بھی مناسب جانا کہ سب کو سرے سے صحیح طور پر دریافت کرکے تیرے لئے اے بزرگ تھیوفلس بہ ترتیب لکھوں تاکہ تو ان باتوں کی حقیقت کو جن کی تونے تعلیم پائی جانے۔"

اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ لوقا کے زمانہ میں لوقا کی طرح اور لوگوں نے بھی بکثرت انجیلیں لکھیں تھیں مگر کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کیسی تھیں جھوٹی یا سچی۔

گلتیوں کے باب ا۔ آیہ ۶ میں ہے کہ:-

میں تعجب کرتا ہوں کہ تم اتنی جلدی اس سے جس نے تمہیں مسیح کے فضل میں بلایا پھر کے دوسری انجیل کی طرف مائل ہوئے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ علاوہ اناجیل اربعہ کے کوئی اور انجیل بھی تھی جو پولوس کے زمانہ میں مشہور ہو چکی تھی اور لوگوں کو اپنی جانب مائل کرنے لگی تھی۔

پولوس کے تسلونیقیوں کے نام دوسرے خط کے باب ۲ آیہ ۲ میں ہے کہ:-

تم اس خیال سے کہ مسیح کا دن آ پہنچا ہے جلد اپنے دل کی ڈھارس مت کھوؤ اور نہ گھبراؤ نہ کسی روح نہ کسی کلام نہ کسی خط سے یہ سوچ کر کہ وہ ہماری طرف سے ہے کوئی

تمہیں کسی طرف سے فریب نہ دے"۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ پولوس ہی کے زمانے سے جعلی خطوں کا سلسلہ جاری ہوگیا تھا بلکہ ۲ قرنتھیوں کے باب ۱۱ آیہ ۱۳ و ۱۴ میں تو اس بات کی شہادت بھی موجود ہے کہ پولوس ہی کے زمانہ سے جھوٹے دغابازوں اور گمراہ کن مدعیانِ رسالت کا سلسلہ بھی جاری ہوگیا تھا یہ سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا۔ چنانچہ اسکاٹ صاحب کی رومن تفسیر مطبوعہ الہ آباد سنہ ۱۸۶۶ء کے صفحہ ۱۸۶ پر لکھا ہے کہ:۔

"نہ صرف جعلی مصنف بلکہ مسیح ہونے کا بہتوں نے دعوے کیا تھا چنانچہ یوسف مورخ کتنوں کا ذکر کرتا ہے وہ یوں لکھتا ہے کہ ملک جادوگروں اور دغابازوں سے بھر گیا تھا جنہوں نے بہتوں کو ورغلایا اور بیابان میں لے گئے۔ تاکہ اپنی کرامتیں دکھلائیں۔ ان میں سے دوسیتھیوس سامری کا ذکر ہے جس نے اپنے آپ کو مسیح کہا اور شمعون مجوسی جو اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہتا تھا۔ اور ٹوڈس جس نے بہت لوگوں کو دھوکہ دے کر کہا کہ میں یردون ندی کو دو حصہ کرکے بیچ میں راستہ بنا دوں گا۔ القصہ چوبیس شخصوں کا ذکر ہے جنہوں نے اور دین قیصر کے وقت سے لیکر سنہ ۱۲۸۲ء تک مسیح ہونے کا دعویٰ کیا"۔

ظاہر ہے کہ ان جعلسازوں اور جھوٹے مدعیانِ رسالت و الوہیت کی کثرت نے تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ سادہ لوحوں کی گمراہی کے لئے کیا کچھ سامان فراہم نہ کیا ہوگا مگر مزید برآں جو بات زیادہ قابلِ افسوس ہے یہ ہے کہ اس زمانہ کے دیندار عیسائیوں نے بھی معاملات دین میں کذب بیانی کا شیوہ اختیار کرلیا تھا۔ اور یہ سمجھ رکھا تھا کہ دین اور خدا پرستی کی ترقی اور حق بات کی تائید میں جھوٹ اور غلط بیانی سے مدد لینا ثواب کا کام ہے اس خیال کی ابتدا کا سراغ ہمیں پولوس مقدس کی تحریر میں ملتا ہے اور ان کا اس پر عامل ہونا بھی انہیں کے بیان سے پایا جاتا ہے انہوں نے جو خط رومیوں کو بھیجا تھا۔ اور جو مجموعہ کتب عہد جدید میں شامل ہے اس کے باب ۳ آیہ ۷ و ۸ میں ہے کہ :۔

"پھر اگر میرے جھوٹ کے سبب خدا کی سچائی اس کے جلال کے لئے زیادہ ظاہر ہوئی تو مجھ پر کیوں گنہگار کی طرح حکم ہوتا ہے۔ اور ہم کیوں برائی نہ کریں۔ تاکہ بھلائی نکلے چنانچہ یہ تہمت ہم پر لگائی بھی جاتی ہے۔"

پہلی صدی عیسوی کے متعلق موشیم صاحب اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۸۳۶ء کے حصہ ۲ باب ۲ صفحہ ۳۶ پر لکھتے ہیں کہ "متعدد وجوہ تھے جن کے باعث ضرورت محسوس ہوئی کہ تمام انجیلوں کو ایک نسخہ میں جمع کر دیا جاوے۔ بڑی وجہ یہ تھی کہ عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور تعلیمات اور ان کے آسمان پر جانے کے واقعات غلط کہانیوں کی صورت میں ایسے لوگوں نے لکھے تھے جن کے ارادے بد نہ تھے مگر جو جھوٹے مذہب والوں اور سادہ لوح مگر فریبی یا فریب خوردہ خدا پرستوں سے انس و رغبت رکھتے تھے اس کے بعد دنیا میں بہت سی تحریریں پھیل گئیں جن کی بنیاد کذب پر تھی اور جن پر پاک پیغمبروں کے نام بطور مصنفوں کے درج کر دئے گئے تھے۔

دوسری صدی عیسوی کے ذکر میں روس تواریخ کلیسا مطبوعہ مرزاپور ۱۸۵۶ء کے صفحہ ۹ پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے:۔

دوسری صدی میں مسیحیوں میں گفتگو رہی کہ جب بت پرست فیلسوف اور حکیموں کے ساتھ دین کا مباحثہ کیا جاوے تو انہیں کے بحث کا طور اور طریقہ اختیار کرنا جائز ہے۔ یا نہیں اور آخرکار اُرجن وغیرہ کی رائے کے بموجب طریقہ مذکور تسلیم ہوا۔ اس سے البتہ مسیحی سچائیوں کی تیز عقلی اور نکتہ سنجی نے بحث میں زیادہ رونق پائی لیکن راستی اور صفائی میں کچھ خلل پڑا۔ پھر اسی سبب سے بعضے لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ جعلی تصنیفات پیدا ہوئیں جو کہ اس زمانہ کے بعد کثرت سے لکھی گئیں۔ اس طرح سے کہ جب فیلسوف لوگ کسی طریقہ کی پیروی کرتے تھے تو کبھی کبھی اُس کے حق میں کتاب لکھ کر کسی معروف حکیم کے نام سے اجرا کرتے

تھے کہ اس حیلے سے لوگ۔ اس پر متوجہ ہو کر اس کی باتیں زیادہ مانیں اگرچہ اس کی باتیں برملا خود مصنف کی ہوتیں۔ سو اسی طرح سیحی جو فیلسوفوں کی طرح بحث کرتے تھے کتاب لکھ کر کسی حواری یا خادم حواری یا معروف اسقف کے نام سے رواج دیتے تھے۔ ایسا دستور تیسری صدی میں۔ شروع ہوا۔ اور کئی سو برس تک رومی کلیسا میں جاری رہا۔ یہ بات بہت ہی خلاف حق اور قابل الزام شدید تھی ؎

اوڈن صاحب اقرار کرتے ہیں کہ دسویں صدی میں جعل اور جھوٹ کا جو دریا بیہودہ موج زن تھا۔ اُسی کا ایک کرشمہ یہ بھی تھا کہ نام انتائی مس بھی جعل سے بنایا گیا۔ لب التواریخ مطبوعہ ۱۸۲۹ء جلد ۲ باب ۹ فصل صفحہ ۳۹ پر یہ اعتراف بھی درج ہے کہ اسیوڈورس کے مکتوب کا جعل سولہویں صدی تک مکمل طور پر آشکارانہ ہوا تھا۔ ہارن صاحب اپنی تفسیر مطبوعہ لندن ۱۸۲۲ء کی دوسری جلد کے صفحہ ۳۳۱ پر لکھتے ہیں کہ:۔

"بلا شبہ بعض خرابیاں (یعنی تحریفیں جان بوجھ کر اُن لوگوں نے کی ہیں جو کہ دیندار مشہور تھے اور اس کے بعد اُنہیں خرابیوں کو ترجیح دی جاتی تھی تاکہ اپنے مطلب کو قوت دیں یا اعتراض اپنے پر نہ آنے دیں۔"

مختصر یہ کہ دین عیسوی کے متعلق بکثرت جعلی انجیلیں اور جھوٹی مذہبی تحریریں وجود میں آئیں اور وقتاً فوقتاً وجود میں آتی رہیں مگر عیسائی علما ہی نے اُنہیں جعلی اور ناقابل اعتماد قرار دیکر مجموعہ عہد جدید میں شامل نہ ہونے دیا۔ اور ان جعلی تصانیف کے وجود میں آنے کے جو اسباب خود عیسائی مصنفین نے بیان کئے ہیں وہ یہ ہیں:۔

۱۔ عیسائیوں کے ہر فرقے نے اپنے مسلک کی تائید میں کتابیں لکھ ڈالیں اور انہیں کسی حواری حواری کے خادم، یا کسی بڑے شخص کے نام سے نامزد کر دیا۔

۲۔ جعلی مسیح، ابن اللہ اور رسول ہونے کے جھوٹے دعویدار، دروغگو، کذاب اور فریبیوں کی کثرت مختلف دور میں جعلی تصانیف کے اضافہ کا باعث ہوتی رہی۔

۳۔ دیندار طبقات نے بھی دین کی خاطر حق کی تائید میں جھوٹ بولنا جائز سمجھ لیا اور اس خیال و عمل میں بہ اعتراف خود پولوس بھی شریک تھے۔

اس وقت صرف اسی امر سے بحث ہے کہ یہ اسباب جعلی تحریروں کے وجود میں آنے کا باعث ہوئے۔ مگر آگے چل کر معلوم ہوگا کہ ان کے اثر سے وہ تحریریں بھی محفوظ نہ رہ سکیں جو علمائے نصاریٰ کے نزدیک معتبر ہیں اور جنہوں نے عیسائیوں کی مہربانی سے عہد جدید کے مجموعہ کتب مقدسہ میں جگہ پائی۔

کتب مشمولہ عہد جدید کی حقیقت

عہد جدید میں جو ستائیس (۲۷) کتابیں شامل ہیں ان میں عیسیٰ علیہ السلام پر جو انجیل نازل ہوئی وہ شامل نہیں۔ نہ عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی کتاب شامل ہے نہ کوئی ایسی کتاب اس مجموعہ میں پائی جاتی ہے جسے عیسیٰ علیہ السلام اپنے دور میں اپنی ہدایت اپنے اہتمام اور اپنی نگرانی کے تحت میں لکھوا کر اپنی امت کے لئے چھوڑ گئے ہوں حالانکہ انجیل عیسیٰ کا وجود عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا اور اس کا ثبوت موجودہ اناجیل عہد جدید سے بھی پایا جاتا ہے۔ مرقس باب ۱ آیہ ۱۵ میں حضرت عیسیٰ کا یہ قول درج ہے کہ:۔

"وقت پورا ہوا اور خدا کی بادشاہت نزدیک آئی۔ توبہ کرو اور انجیل پر ایمان لاؤ"

مرقس باب ۱۰ آیہ ۲۹ و ۳۰ میں ہے کہ:۔

یسوع نے جواب میں کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں ایسا کوئی نہیں جس نے گھر یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا جورو یا لڑکے بالوں یا کھیتوں کو میرے اور انجیل کے لئے چھوڑ دیا ہے جو بالفعل اس جہان میں سو گنا نہ پاوے۔"

متی باب ۲۶ آیہ ۱۳ میں مسیح کا یہ قول درج ہے:۔

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمام دنیا میں جہاں کہیں اس انجیل کی منادی ہوگی"

وہ کونسی انجیل ہے جس کی بابت آیات مندرجہ بالا میں اشارہ ہے؟ وہ انجیل کہاں ہے جس پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے؟ جس کے لئے ماں باپ بہن بھائی بیوی بچے گھر بار کھیتی باڑی چھوڑ دینے پر سو گنے اجر کا وعدہ ہے؟ عہد جدید کی اناجیل اربعہ عیسیٰ علیہ السلام سے بہت بعد کی تصانیف ہیں جو حواریوں اور حواریوں کے شاگردوں سے منسوب کردی گئی ہیں، اور جن کے مصنفین و مآخذ کے متعلق بھی خود عیسائیوں ہی میں بڑی بڑی بحثیں پیش آچکی ہیں۔ عہد جدید کی موجودہ ستائیس (۲۷) کتابوں میں عیسیٰ علیہ السلام کی نہیں بلکہ متی مرقس لوقا اور یوحنا نام انجیلیں شامل ہیں، رسولوں کے اعمال کی ایک کتاب ہے، پولوس کے چودہ (۱۴) خطوط، یعقوب کا ایک خط، پطرس کے دو خطوط، یوحنا کے تین (۳) خطوط، یہوداہ کا ایک خط، اور یوحنا فقیہہ کے مکاشفات کی ایک کتاب شامل ہیں یہ سب مل کر (۲۷) کتابیں ہوئیں ان کتابوں کے متعلق مورخ یوسی بیس کا قول ہے کہ یہ بھی تین اقسام میں منقسم ہیں ایک وہ جن کے معتبر ہونے پر سب کو اتفاق ہے۔ اس میں یہ کتابیں شامل ہیں:-

اناجیل اربعہ۔ رسولوں کے اعمال۔ پولوس کے چودہ خط۔ پطرس کا پہلا خط۔ یوحنا کا پہلا خط۔ یہ سب ۲۱ کتابیں ہوئیں جن کی صحت پر عیسائیوں کا اتفاق بیان کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یوسی بیس یہ بھی کہتا ہے کہ شاید موقع ہے کہ مکاشفات کی کتاب بھی اس میں شامل کرلی جائے۔

دوسری قسم ان کتابوں کی ہے جن کی بابت یوسی بیس کہتا ہے کہ صحت میں اختلاف ہے اور بعض کو ان کی صحت میں شک ہے۔ اس میں یہ کتابیں شامل کی گئی ہیں:-

یعقوب کا خط۔ یہوداہ کا خط۔ پطرس کا دوسرا خط اور یوحنا کا دوسرا اور تیسرا خط یہ سب مل کر پانچ (۵) کتابیں ہوئیں۔

تیسری قسم ان کتابوں کی ہے جن کے غیر معتبر ہونے پر سب کو اتفاق ہے مگر اس نوع کی کتابوں

میں یوسی بیس کو جرأت نہ ہوئی کہ مشکوک کتب عہد جدید میں سے کسی کا نام داخل کرے مفتاح الکتاب کے مصنف نے البتہ باوجود عیسائی ہونے کے اخلاقی جرأت سے کام لیا ہے اور لکھا ہے کہ اس نوع کی کتابوں میں بعض نے اس خط کو جو عبرانیوں کے نام ہے اور یوحنا کے مکاشفات کو داخل کیا ہے بہرحال مشکوک کتابیں سات ہیں جن کے مشکوک ہونے کی بابت بقول پادری فانڈر صاحب عیسائیوں میں رائے عام ہے یہ کتابیں بائبل کے اس سریانی ترجمہ سے بھی خارج ہیں جو عیسائیوں کے قول کے مطابق ۲۰۰ء اور ۲۷۰ء کے درمیان کا لکھا ہوا ہے۔ ان سات کتابوں کے نام یہ ہیں:۔

یعقوب کا خط۔ یہوداہ کا خط۔ پطرس کا دوسرا خط۔ یوحنا کا دوسرا خط۔ یوحنا کا تیسرا خط۔ عبرانیوں کو خط۔ مکاشفات یوحنا۔

اب ہم سب سے پہلے اُن کتابوں پر نظر ڈالتے ہیں جو تمام عیسائیوں کے نزدیک سب سے زیادہ معتبر ہیں اور جن پر موجودہ عیسائیت کی بنیاد قرار دی جاتی ہے۔ ان میں سب سے مقدم چار انجیلیں ہیں یہ انجیلیں متی۔ یوحنا۔ مرقس اور لوقا کی ہیں متی اور یوحنا عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد اور حواری بیان کئے جاتے ہیں اور مرقس و لوقا حواریوں کی طرف سے صرف انجیل کے سُنانے والے۔ ہم ان انجیلوں کو اسی ترتیب سے لیتے ہیں جس ترتیب سے کہ وہ عہد نامہ جدید میں درج کی گئی ہیں۔

انجیل متی

متی کی انجیل کے متعلق یہ امر پایہ تحقیق کو پہنچ گیا ہے کہ یہ انجیل اصل میں عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی۔ لارڈنر نے اور ہورن کے تین اقوال اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انجیل عبرانی میں لکھی گئی۔ یوسی بیس اور اتھناسیس اور سرل اور جروم سب اس بات پر متفق ہیں کہ متی نے یہ انجیل عبرانی زبان میں لکھی۔ ہارن صاحب نے اپنی تفسیر میں تئیس (۲۳) ایسے علما کے نام لکھے ہیں جو متی کی انجیل کا عبرانی میں ہونا بیان کرتے ہیں ریو صاحب اپنی تاریخ انجیل میں لکھتے ہیں کہ:۔

"یہ بات غلط ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ متی نے انجیل یونانی میں لکھی تھی کیونکہ یوسی بیس اور بہت سے

عیسائی علماء نے لکھا ہے کہ متی نے انجیل عبرانی میں لکھی ہے نہ کہ یونانی میں۔"

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی جلد ۱۹ میں ہے کہ :-

عہد جدید کی سب کتابیں یونانی میں لکھی گئیں الا انجیل متی اور نامۂ عبرانیاں جن کا عبرانی زبان میں لکھا جانا بدلائل متیقن ہے۔"

انجیل متی کے عبرانی زبان میں ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کی زبان عبرانی تھی اور یہ بات نہایت بعید از قیاس ہے کہ انہوں نے اپنے شاگردوں کی ہدایت کے لئے کوئی کتاب نہ چھوڑی ہو۔ ہم اوپر مرقس باب ۱ آیہ ۱۵ اور باب ۱۰ آیہ ۲۹ و ۳۰ اور متی باب ۲۶ آیہ ۱۳ کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں ایک انجیل کا وجود تھا۔ ہارن صاحب بھی اپنی کتاب کی جلد ۴ میں لکھتے ہیں کہ :-

"بعض قدیم علماء کا قول ہے کہ متی اور مرقس اور لوقا کے پاس عبرانی میں ایک ایسا صحیفہ تھا جس میں حضرت عیسٰی کے گذارشات لکھے تھے۔ اور انہوں نے اس سے نقل کیا۔ متی نے بہت اور لوقا اور مرقس نے تھوڑا۔"

نورٹن صاحب اپنی کتاب علم اسناد مطبوعہ بوسٹن ۱۸۳۷ء کے دیباچہ جلد اول میں اکہارن کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ :-

"ابتدائے ملت مسیحی میں احوال مسیح کے بیان میں ایک مختصر رسالہ تھا۔ جائز ہے کہ کہا جائے کہ وہی اصلی انجیل تھی۔ اور غالب یہ ہے کہ یہ انجیل ان مریدوں کے واسطے بنائی گئی تھی جنہوں نے اقوال مسیح اپنے کان سے نہ سنے تھے۔ اور نہ اُن کے حالات اپنی آنکھ سے دیکھے تھے۔ چنانچہ یہ انجیل بمنزلہ قالب کے تھی، اور اس میں حالات مسیح ترتیب سے نہ لکھے گئے تھے۔

اور یہ انجیل جمیع اناجیل مروجہ صدی اوّل و دوم و نیز انجیل متی ولوقا و مرقس کا ماخذ تھی۔ پھر یہ تینوں انجیلیں یعنی متی ولوقا و مرقس دوسری اور انجیلوں پر فوقیت لے گئیں۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ اگرچہ ان تینوں میں اصل سے کچھ کمی ہوگئی تھی مگر یہ اُن لوگوں کے ہاتھ پڑیں۔ جو دوسری انجیلوں مثلاً انجیل فرقہ مارسیون یا انجیل تی ٹمنس وغیرہ سے بیزار ہو چکے تھے۔ ان تین انجیلوں کی کمی کو دوسری انجیلوں سے واقعات مسیح کو لے کر پورا کیا گیا اور نسب نامہ مسیح اور ولادت وبلوغ وغیرہ کے حالات بھی شامل کردئے گئے۔ چنانچہ یہ حال اس انجیل سے جو تذکرہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور جس سے جسٹن نے نقل کیا تھا اور انجیل سرن تس سے بخوبی ظاہر ہے اگر ہم اُن انجیلوں کے باقی ماندہ اجزاء سے مقابلہ کریں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اصل انجیل میں زیادتی بتدریج واقع ہوئی ہے۔"

پھر آگے چل کر نورٹن لکھتے ہیں کہ:۔

اگر یہ کمی و زیادتی انجیل میں واقع نہ ہوئی ہوتی تو معتبر و مشہور مورخ سلوس یہ کیوں اعتراض کرتا کہ عیسائیوں نے اپنی انجیلیں تین بار یا چار بار بلکہ اس سے بھی زیادہ بار بدلی ہیں۔"

پھر فاضل نورٹن بعد میں یہ لکھتے ہیں کہ:۔

"کوئی یہ خیال نہ کرے کہ یہ صرف اکھارن کی رائے ہے اس واسطے کہ اکھارن کی کتاب سے بڑھ کر کوئی کتاب ملک جرمن میں اب تک مقبول نہیں ہوئی بلکہ جرمنی کے بکثرت علمائے متاخرین نے اناجیل و نیز ان امور کے بارہ میں جن سے انجیل کی صحت پر الزام آتا ہے۔ اکھارن کی رائے کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔"

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اقتباس خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ موشیم صاحب نے اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۸۳۲ء کی جلد اوّل میں ناصری اور ابیونی فرقوں کے بیان میں لکھا ہے کہ :۔

"دونوں کے پاس ایک انجیل تھی جو ہماری انجیل سے مختلف ہے اور اس انجیل کی بابت ہمارے علماء میں اختلاف ہے۔"

میکلین نے اس عبارت پر بطور حاشیہ کے لکھا ہے کہ :۔

"انجیل ناصریوں والی یا عبرانی یقیناً وہی ہے جو فرقہ ابیونی کے پاس تھی اور بارہ حواریوں کی انجیل کر کے مشہور ہے۔"

ابیونی فرقہ کے متعلق اس قدر جان لینا ضروری ہے کہ یہ لوگ پولوس سے سخت نفرت کرتے تھے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے پابند تھے عیسیٰ علیہ السلام کو انسان سمجھتے تھے اور انہیں یوسف مریم کا بیٹا تسلیم کرتے تھے۔ یہ لوگ عیسویت کے ابتدائی زمانہ میں موجود تھے۔ یوحنا حواری کے زمانہ میں بھی تھے اور صرف متی کی اصلی انجیل کو جو کہ عبرانی زبان میں تھی مانتے تھے۔ اس عبرانی انجیل میں نسب نامہ مسیح نہ تھا۔

ٹامس اسکاٹ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اکثر خیال کیا جاتا ہے کہ یہ عبرانی انجیل صعود عیسیٰ سے قریب آٹھ سال بعد لکھی گئی۔ بعض کے نزدیک ۳۷ء یا ۳۸ء میں لکھی گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی اور قدیم ترین انجیل ہے جو ۶۳ء کے قریب لکھی گئی۔ مقام تصنیف یہودیہ اور مقصد تصنیف عیسوی کی ہدایت بیان کیا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ متی نے خود یا اس کے کسی ہم عہد نے اس کا ترجمہ عبرانی سے یونانی زبان میں کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ :۔

"یعقوب نے جو خداوند کا بھائی تھا اس کا ترجمہ یونانی زبان میں کیا" (تفسیر اسکاٹ)۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ترجمہ "حواریوں کے کسی مرید نے کیا" (پادری فانڈر صاحب) مگر اس میں شبہ نہیں کہ انجیل متی کا اصل عبرانی نسخہ مفقود ہے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ترجمہ صحیح ہے یا غلط، اسی کتاب کا ہے یا کسی اور کتاب

کا" صرف کتاب ہی کا ترجمہ ہے یا کچھ کمی و بیشی بھی کردی گئی ہے نہ ترجمہ کرنے والے کا صحیح نام معلوم ہو سکا نہ ترجمہ کی تاریخ کا صحیح حال کسی کو معلوم ہے، نہ اس دنیا میں کوئی عبرانی زبان کا نسخہ کہیں موجود ہے کہ اس سے ترجمہ کا مقابلہ کیا جا سکے بلکہ ترجمہ کی عبارت اور عیسائی علماء کے اقوال شہادت دیتے ہیں کہ اس ترجمہ کو متی کی عبرانی انجیل سے کوئی تعلق نہیں۔ متی باب ۹ کی آیہ ۹ کو ذرا ملاحظہ فرمائیے:۔

"پھر یسوع وہاں سے آگے بڑھا تو متی نامی ایک شخص کو محصول کی چوکی پر بیٹھے دیکھا اور اسے کہا میرے پیچھے آ وہ اٹھ کے اس کے پیچھے چلا۔"

بھلا جس کتاب میں متی کے متعلق اس قسم کے جملے درج ہوں اسے متی کی تصنیف کون کہہ سکتا ہے؟

علاوہ ازیں متعدد غلطیاں ترجمہ مروجہ میں پائی گئیں ہیں جن پر عیسائی علماء نے بھی قلم اٹھایا ہے ان کی تفصیل طوالت طلب ہے اس لئے یہاں انہیں نظر انداز کیا جاتا ہے بڑی بحث نسب نامہ مسیح میں ہے، جو متی باب ا میں درج ہے۔ بلحاظ اس اہمیت کے جو کہ اس بحث کو حاصل ہے یہاں مختصراً اس کی بابت کچھ لکھا جاتا ہے۔

نسب نامہ مسیح | متی باب ا آیہ ۱۷ میں ہے کہ:۔ پس سب پشتیں ابرہام سے داؤد تک چودہ ہیں اور داؤد سے بابل کو آٹھ جانے تک چودہ پشتیں اور بابل کو آٹھ جانے سے مسیح تک چودہ پشتیں ہیں۔

آیت مندرجہ بالا میں نسب نامہ کو چودہ چودہ پشتوں کی تین تقسیموں میں منقسم کیا گیا ہے اور صریحاً غلط ہے پہلے حصہ میں اگر ابرہام اور داؤد کو بھی شامل کر لیا جاوے تب کہیں جا کر چودہ پشتیں پوری ہوتی ہیں دوسرے حصہ میں اگر یلو نیاہ کو شامل کیا جائے۔ تب چودہ کی تعداد تو پوری ہو جاتی ہے مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ اس حصہ کے متعلق سلیمان سے لیکر یلو نیاہ تک متی میں صرف چودہ پشتیں بتلائی گئی ہیں حالانکہ اول تواریخ باب ۳ میں اٹھارہ (۱۸) پشتوں کے نام گنوائے گئے ہیں اور عیسائی علماء کے نزدیک بھی معتبر یہی اٹھارہ (۱۸) پشتیں ہیں۔ اسی امر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے نیومین صاحب نہایت افسوس کے

ساتھ فرماتے ہیں کہ :-

"دین عیسوی میں ایک اور تین کو ایک ماننا پڑا تھا - اب اٹھارہ (۱۸) اور چودہ کو بھی ایک کہنا پڑا - کیونکہ کتب مقدسہ میں تو غلطی کا احتمال ہو ہی نہیں سکتا!"

تیسرے حصہ میں سب نام حضرت عیسیٰ تک کے ملاکر خواہ کسی طرح سے اور کسی طرف سے گنیے تیرہ ہی ہوتے ہیں نہ کہ چودہ -

علاوہ ازیں متی باب ۱ آیہ ۸ میں عزیاہ کو یورام کا بیٹا تبلایا گیا ہے - حالانکہ بموجب اوّل تاریخ باب (۳) آیہ ۱۱ و ۱۲ کے وہ یورام کے پوتے کا پوتا ہے یعنی درمیان سے تین نام اڑا دیئے گئے - پھر متی باب ۱ آیہ ۱۱ میں یکونیاہ کو یوسیاہ کا بیٹا قرار دیا گیا ہے حالانکہ وہ اس کا پوتا تھا اور متی میں یکونیاہ کے بھائیوں کا ہونا ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ وہ اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا - متی نے زروبابل کو سیالتیل کا بیٹا لکھا ہے - حالانکہ وہ اس کا بھتیجا یعنی اس کے بھائی فدایاہ کا بیٹا تھا اور ابیوہ کو زروبابل کا بیٹا لکھا ہے حالانکہ زروبابل کا کوئی بیٹا اس نام کا نہ تھا - طوالت کے خیال سے ہم اس سے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے حالانکہ ایسی غلطیاں اس کتاب میں بہت ہیں - جس کتاب کا ایک جزو بھی غلط ثابت ہو جائے وہ ساری کی ساری اعتبار سے گرجاتی ہے -

نسب نامہ کے متعلق مندرجہ بالا اعتراضات تو وہ ہیں جو عیسائی علماء ہی کی جانب سے وقتاً فوقتاً پیش ہو چکے ہیں مگر یہاں نامناسب نہ ہوگا اگر ایک اعتراض ہم بھی اپنی طرف سے پیش کردیں وہ اعتراض یہ ہے کہ ایک طرف الوہیت مسیح کا دعویٰ اور دوسری طرف نسب نامہ پیش کرکے مسیح کو اولاد ابراہیم و داؤد ثابت کرنا کیا معنی رکھتا ہے ؟ یہ نسب نامہ یوسف نجار پر منتہی ہو جانا چاہئے تھا مسیح کو یوسف نجار سے کیا تعلق ؟ اگر مسیح کو الوہیت کا تاج پہنایا جاتا ہے، اگر مسیح کو خدا کا اکلوتا بیٹا کہا جاتا ہے تو پھر اس خاکی نسب نامہ کو انجیل میں داخل کرنے اور مسیح سے متعلق کرنے کی ضرورت ہی کونسی تھی ؟

اس پر زیادہ تفصیلی بحث انشاء اللہ کسی دوسرے موقعہ پر آئے گی۔

انجیل متی کے متعلق اوپر کی ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

۱۔ متی کی اصلی انجیل عبرانی میں لکھی گئی تھی جو موجودہ ساری انجیلوں پر مقدم تھی۔ اور جواب ضائع ہو چکی ہے۔

۲۔ اس انجیل کے یونانی زبان میں ترجمہ کرنے والے کا نہ نام معلوم ہوتا ہے نہ حال نہ صحیح طور پر یہ معلوم ہے کہ یہ ترجمہ کب ہوا۔

۳۔ اس یونانی انجیل کو عبرانی انجیل والے متی سے کوئی تعلق نہیں۔

۴۔ یونانی انجیل متی میں بھی غلطیاں ہیں۔

۵۔ جو نسب نامہ اس میں درج ہے اسے عیسائی تک غلطیوں سے پر سمجھتے ہیں۔

۶۔ وہ عبرانی انجیل جو "بارہ حواریوں کی انجیل" کہلاتی ہے ابیونی فرقہ کے پاس تھی۔ اور اس فرقہ کا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ وہ صرف ایک برگزیدہ انسان تھے۔

انجیل مرقس

اسکاٹ صاحب اپنی روشن تفسیر صفحہ ۲۳۹ و ۲۴۰ پر لکھتے ہیں کہ:۔

"مرقس کا حال جس نے یہ کتاب لکھی بہت معلوم نہیں ہے اکثر سمجھتے ہیں کہ وہ مسیح کے ستر شاگردوں میں سے تھا لیکن اس میں ایک شبہ یہ ہے کہ پطرس اُسے اپنا بیٹا کہتا ہے۔ (اوّل پطرس باب ۵ آیہ ۱۳) جس سے گمان پیدا ہوتا ہے کہ وہ پطرس کے وسیلہ سے ایماندار ہوا۔ (یعنی عیسائی ہوا) یہ بھی ٹھیک معلوم نہیں کہ کس وقت یہ صحیفہ لکھا گیا۔ مگر گمان غالب ہے کہ اُس کی تصنیف ۵۶ء اور ۶۳ء کے درمیان میں ہوئی سب متفق طور پر کہتے ہیں کہ شہر روم میں اس کی تصنیف ہوئی"

دیگر عیسائی مصنّفین کی تحریروں سے بھی یہی پایا جاتا ہے کہ مرقس کو عیسیٰ علیہ السلام کی صحبت نصیب

نہ ہوئی تھی بلکہ پطرس کے ہاتھ پر اس نے عیسائیت قبول کی اور جو تعلیم اس نے پطرس سے حاصل کی اسے رومی یعنی لاطینی زبان میں لکھ کر شہر روم میں اس نے اپنی انجیل کو تصنیف کیا یہ لاطینی زبان والی اصلی انجیل مرقس گم ہے اور اس کا یونانی ترجمہ موجود ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس لاطینی انجیل کے چند اجزار وینس کے کتب خانہ میں موجود ہیں اور وہاں کے لوگ ان اجزار کو اصلی خیال کرتے ہیں۔

اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ مرقس نے اپنی انجیل لکھ کر اپنے اُستاد پطرس کو دکھلائی ہو اور پطرس نے اس پر نظر ثانی کی ہو۔ کیونکہ سینٹ ارنیوس ۱۷۸ء میں لکھتے ہیں کہ: "پطرس کے مرید اور مترجم مرقس نے بعد موت پطرس کے وہ چیزیں جو پطرس نے وعظ کی تھیں لکھ کر دیں۔ پھر یونانی ترجموں میں غلطیوں کے ہونے کا بھی عیسائی مصنفین کو اعتراف ہے۔ چنانچہ وارڈ صاحب اپنے اغلاط نامہ میں لکھتے ہیں کہ بقول جروم کے علمائے متقدمین کو اس انجیل کے آخری باب کی صحت میں شبہ تھا۔ مرقس باب ۲ آیہ ۲۶ میں جو لفظ ابیاتھر آیا ہے۔ اس کی بابت بھی وارڈ صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۳۷ پر لکھتے ہیں کہ: "مسٹر جوئیل اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ مرقس نے غلطی سے اخیملک کی جگہ ابیاتھر لکھا ہے اور متی نے غلطی سے ذکریاہ کی جگہ برمیاہ لکھا ہے۔"

"اس تصنیف کی تاریخ بھی مشکوک ہے۔ ہارن صاحب اپنی تفسیر کی جلد ۴ حصہ ۲ باب ۲ میں لکھتے ہیں کہ

"انجیلوں کی تالیف کے متعلق جو احوال ہم کو قدیم مومنین کلیسا سے ملے ہیں۔ وہ ایسے غیر معین اور ابتر ہیں۔ کہ کسی ایک امر معین کی جانب نہیں پہنچاتے اور پُرانے پرانے قدمانے اپنے وقت کی گپوں کو سچ سمجھ کر لکھدیا اور ان لوگوں نے جو بعد ان کے ہوئے ادب کر کے اُن کے لکھے ہوئے کو قبول کر لیا۔ اور یہ روایتیں جھوٹی سچی ایک لکھنے والے سے دوسرے لکھنے والے تک پہنچیں۔ اور بعد گذرنے مدت دراز کے تنقید ان کی متعذر ہو گئی۔"

چنانچہ اسی جلد میں ہارن صاحب لکھتے ہیں کہ پہلی انجیل ۳۷ء یا ۳۸ء یا ۴۱ء یا ۴۳ء یا ۴۸ء یا

سنہ ۶۱ء یا ۶۲ء یا ۶۳ء یا ۶۴ء عیسوی میں تالیف ہوئی۔ اور دوسری انجیل ۵۶ء سے ۶۵ تک غالباً
سنہ ۶۰ء یا ۶۳ میں اور تیسری انجیل ۵۳ء یا ۶۳ء یا ۶۴ء میں۔ اور چوتھی انجیل ۶۸ء یا ۶۹ء یا
سنہ ۷۰ء یا ۹۷ء یا ۹۸ء عیسوی ہیں۔

مسٹر فلپ ویوین اپنی کتاب "دی چرچیز اینڈ ماڈرن تھاٹ" (یعنی کلیسا اور خیالات جدید) کے صفحہ ۹۸ و ۹۹ پر لکھتے ہیں کہ

ڈاکٹر رابن سن کو اقرار ہے کہ اناجیل اربعہ مشکوک ہیں لیکن ان کا خیال ہے کہ دوسری صدی کی یہ روایت کہ انجیل دوم کا مصنف سینٹ مارک (مرقس) ہے معتبر ہے۔ اور یہ کہ مارک پطرس حواری کا ترجمان تھا اور اپنی انجیل کو حواری مذکور کی روایت سے اس نے روما میں تحریر کیا ہے۔ بہت خوب۔ ہم اس نتیجہ کو تسلیم کرتے ہیں یعنی یوں سمجھو کہ ایک انجیل کی روایت ایسے راوی سے ہے جو چشم دید روایت بیان کرتا ہے۔ لیکن اس راوی کو صرف ایک سال (اور بقول رجعت پسند ناقدین تین سال) صحبت مسیح حاصل ہوئی۔ یہ حواری ناخواندہ تھا۔ تیس یا چالیس سال کے بعد وہ روایت کرتا ہے جس کو دوسرا شخص (مرقس) غیر زبان میں تحریر کرتا ہے، اور پھر یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کا ترجمہ کہاں تک اصل کے مطابق ہوا ہے علاوہ اس کے ڈاکٹر رابن سن اپنے ابواب "وعظ کبیر" اور "غیر مرقسی دستاویز" میں مرقس کے انجیل کی اہم فروگذاشتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ × × × × × × یہ اہم فروگذاشتیں کیا ہیں؟ کیا ہم ان کو معمولی سمجھیں؟ ہم کو خود ان کا تھوڑا سا انتخاب کر کے فیصلہ کرنا چاہئے۔ اس انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کی بطور اعجاز پیدائش کا نہ کچھ ذکر ہے اور نہ آپ کے عہد طفولیت کے حالات جو کہ بقیہ پیشنگوئی کی تصدیق ہی ہوں۔ اسی طرح پہاڑی والے مشہور وعظ کا بھی کچھ ذکر نہیں

دوبارہ زندہ ہو جانے کا قصہ صرف چند سطروں میں مذکور ہے اور آسمان پر تشریف لے جانا صرف ایک سطر میں۔ بدقسمتی سے یہی وہ سطریں ہیں جو بالاتفاق الحاقی مانی جاتی ہیں کیونکہ انجیل مرقس کا حقیقت میں باب ۱۶-آیتہ ۸ پر ختم ہو جاتا ہے اس لئے نہ حلول، نہ بعثت ثانی نہ صعود کسی مسئلہ کا بھی وہاں ذکر نہیں۔ زبانی روایات، گم شدہ دستاویزیں، اور نامعلوم کاتب بس یہی وہ ذریعے رہ گئے جن سے ہم کو ان تفصیلی حالات کا علم ہوتا ہے جو ہمارے مذہب کی روح رواں ہیں کیا اس سے بڑھ کر اور بھی کوئی ناقابل اطمینان امر ہے جس سے مسیحی صداقت اور انجیل کی حقانیت پر شبہ عائد ہوتا ہو؟

انجیل لوقا لوقا انطاکیہ کا رہنے والا ایک طبیب تھا اور عیسائی مصنفین کا اتفاق ہے کہ وہ غیر اقوام میں سے تھا۔ اس سے دو کتابیں منسوب ہیں۔ ایک انجیل لوقا دوسری رسولوں کے اعمال بقول مصنف مفتاح الکتاب لوقا نے انجیل ۶۳ء کے قریب اور اعمال ۶۴ء کے قریب لکھی۔

بعض مسیحی علما کا گمان ہے کہ لوقا عیسیٰ علیہ السلام کے ستر شاگردوں میں سے تھا مگر خود لوقا ہی کی انجیل سے اس گمان کی تردید ہوتی ہے اوّل تو ان ستر شاگردوں کا ذکر ہی سوا انجیل لوقا کے کسی اور انجیل میں مذکور نہیں نہ ان کے نام کسی کو معلوم ہیں، حالانکہ اتنی بڑی بات کا ذکر اور انجیلوں میں بھی ہونا چاہئے تھا جیسا کہ (۱۲) بارہ حواریوں کے احوال سے تمام انجیلیں بھری پڑی ہیں۔ دوسرے یہ کہ لوقا نے خود ہی اپنی انجیل کی تمہید میں لکھا ہے کہ جنہوں نے مسیح کو دیکھا تھا اور مسیح کی خدمت کی تھی اُن سے پوچھ کر میں لکھتا ہوں اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک یہ کہ لوقا نے مسیح کو نہیں دیکھا دوسرے یہ کہ اس نے جو کچھ لکھا وہ الہام سے نہیں لکھا بلکہ لوگوں سے پوچھ کر لکھا۔

اکثر عیسائی علما بھی لوقا کو پولوس کا شاگرد اور ترجمان قرار دیتے ہیں۔ اور پولوس کی نسبت

یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے مسیح کی صورت بھی دور سے دیکھی ہو چہ جائے کہ مسیح کی خدمت اور شاگردی کی ہو۔ اردو تاریخ کلیسا مطبوعہ ۱۸۶۸ء کے صفحہ ۴۴ پر ہے کہ:۔

"جب پولس شہر تر داس میں گیا جو بحر روم کے ساحل پر واقع ہے تو یہاں اس سے اور لوقا سے ملاقات ہوئی اور اس وقت سے برابر لوقا پولس کے ساتھ رہا"۔

پھر اسی صفحہ کے حاشیہ پر مندرجہ ذیل عبارت بھی درج ہے کہ:۔

"یہ اس کی عبارت سے ظاہر ہے کیونکہ وہ اس کے بعد اعمال الرسل کے آخر تک صیغہ جمع استعمال میں لاتا ہے لوقا کی انجیل اور اعمال الرسل دونوں اسی کی تصنیف ہیں"۔

اس سلسلہ میں مغالطہ میں ڈالنے والی ایک اور بات بھی پیدا ہوئی ہے پادری داتش صاحب کے زیر اہتمام ۱۸۶۸ء میں مشن پریس الہ آباد سے ایک کتاب "قربت الٰہی" کے نام سے شائع ہوئی تھی اس کے صفحہ ۵۹ پر واقعات درج ہیں کہ آتش پرستوں کے مذہب کی تائید میں ایک کتاب قسطا کے نام سے موسوم ہے جس کا مصنف بھی ایک ایسا شخص ہے جس کا نام لوقا ہے یہ لوقا بھی غیر یہودی تھا اور طبیب تھا صاحب تصنیف بھی تھا اور شہرۂ آفاق بھی اور اس کا بھی زمانہ عروج مسیح کے بعد تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں لوگ اپنی طرف سے کتابیں لکھ کر مشہور و معروف لوگوں کے نام سے موسوم کر دیا کرتے تھے۔

انجیل لوقا کے باب ۳ میں مسیح کا جو نسب نامہ درج ہے وہ اس سے مختلف ہے جو انجیل متی میں دیا گیا ہے۔ اور اس میں چند صریح غلطیاں ہیں جن کی تفصیل کو طوالت کے خیال سے سر دست نظر انداز کیا جاتا ہے بعض عیسائی علماء نے ان دونوں نسب ناموں میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے اور بڑی کھینچ تان سے کام لیا ہے مگر جان کالون اپنی تفسیر میں ان تمام بناوٹ کی باتوں کی تردید کرتا ہے۔

انجیل یوحنا بقول بعض عیسائی مصنفین کے یوحنا کی انجیل سب سے زیادہ معتبر ہے اگرچہ زمانہ تصنیف کے لحاظ سے سب سے زیادہ مؤخر ہے مکاشفات یوحنا اور انجیل یوحنا دونوں ایک ہی مصنف

کی تصنیف بیان کی جاتی ہیں مکاشفات کی تاریخ تصنیف مختلف طور پر ۹۵ء سے ۹۶ء اور ۹۷ء اور انجیل یوحنا کی تاریخ ۶۸ء سے لیکر ۱۰۰ء تک بیان کی گئی ہے مگر بعض عیسائی مصنفین ہی نے یہ شبہ بھی ظاہر کیا ہے کہ یہ دونوں کتابیں اپنے انداز بیان سے ایک مصنف کی لکھی ہوئی نہیں معلوم ہوتیں۔ مکاشفات میں یوحنا نے جابجا اپنی جانب کہیں "میں" کہیں "مجھ یوحنا نے" سے اشارہ کیا ہے لیکن یوحنا کی انجیل میں عبارت کا ڈھنگ ایسا نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ یہ انجیل یوحنا کی لکھی ہوئی ہے یوحنا باب ۱۹ آیہ ۲۶ میں ہے کہ :" یسوع نے اپنی ماں کو اور اس شاگرد کو جسے وہ پیار کرتا تھا"...... اور باب ۲۰ آیہ ۲ میں ہے کہ :" تب وہ شمعون پطرس اور اس دوسرے شاگرد کے پاس جسے یسوع پیار کرتا تھا ...." پھر اسی باب کی آیہ ۳ میں ہے کہ :" پھر پطرس اور وہ دوسرا شاگرد نکلے اور قبر کی طرف گئے"۔ باب ۲۱ کی آیات ۲۰ و ۲۳ میں بھی اسی طرح "اُس شاگرد" اور "وہ شاگرد" کے الفاظ آئے ہیں۔ بعض عیسائی گمان کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا اقتباسات میں "اس شاگرد" سے یوحنا اپنی جانب اشارہ کرتا ہے مگر ٹامس اسکاٹ اپنی تفسیر کے صفحہ ۲۱۲ پر اس گمان کو غلط قرار دیتے ہیں۔ اسی شاگرد بصیغہ غائب کے سلسلہ میں ایک اور اقتباس بھی ہے جو اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالتا ہے انجیل یوحنا کے اختتام پر باب ۲۱ آیہ ۲۴ میں ہے کہ :" یہ وہ شاگرد ہے جس نے ان کاموں کی گواہی دی اور ان باتوں کو لکھا اور ہم کو یقین ہے کہ اس کی گواہی سچ ہے" ظاہر ہے کہ کوئی مصنف اپنی شان میں اس قسم کا فقرہ نہیں لکھ سکتا پھر یہ بات کہ جس نے ان کاموں کی گواہی دی اور ان باتوں کو لکھا اُس کی اور اس کی شہادت کی صداقت کا ہم کو یقین ہے صاف دلالت کرتی ہے کہ کتاب کا لکھنے والا کوئی اور شخص ہے اور اس کی صداقت پر یقین کرنے والا کوئی دوسرا شخص ہے۔ کاتب بصیغہ غائب بھی لامعلوم اور کاتب کی صداقت پر گواہی دینے والا بصیغہ حاضر بھی لامعلوم نہ کاتب سے کوئی واقف نہ یقین کرنے والے گواہ سے کوئی باخبر۔ صرف ظنیات ہیں اور انجیل موجودہ اور وہ شکوک بلکہ بے اعتقادی جن سے بعض تعلیم یافتہ اور سمجھدار عیسائی تک محفوظ نہیں۔

برٹسنیڈر عیسائیوں میں ایک بڑا محقق گذرا ہے اُس کا قول ہے کہ یہ انجیل اور دیگر نامے یوحنا کی تصنیف نہیں بلکہ انہیں کسی عیسائی نے دوسری صدی کے شروع میں یوحنا کے نام سے لکھ دیا۔ دوسری صدی عیسوی میں عیسائیوں کا ایک فرقہ الوجین کے نام سے مشہور تھا اس فرقہ کے لوگوں کا بھی اس انجیل کے متعلق یہی عقیدہ تھا۔ اسٹاڈلن اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ بلاشک مدرسہ اسکندریہ کے کسی طالب علم نے اس انجیل کو تصنیف کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ جب دوسری صدی میں لوگوں نے اس انجیل سے انکار کیا تو اس کے جواب میں ارنیوس نے یہ کہیں نہیں کہا کہ پولی کارپ سے مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ انجیل یوحنا حواری کی تصنیف ہے حالانکہ ارنیوس شاگرد تھا پولی کارپ کا اور پولی کارپ مرید تھا یوحنا حواری کا اور ارنیوس نے ذرا ذرا سی بات پولی کارپ سے بار بار سُنی۔ اگر یہ انجیل یوحنا کی ہوتی تو منکرین کے مقابلہ میں ارنیوس ضرور پولی کارپ کی سند پیش کرتا۔ اور اس انجیل کی حقانیت کو آشکارا کرتا۔ گروٹیس بھی عیسائیوں میں ایک زبردست عالم و محقق گذرا ہے اس کا بیان ہے کہ اس انجیل کا اکیسواں باب الحاقی ہے جسے یوحنا کی موت کے بعد افسس کے کلیسا نے اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے۔

مندرجۂ بالا خیالات وہ ہیں جو عیسائی مصنفین ہی کے قلم سے ظاہر ہوئے ہیں مسلمانوں نے انجیل کا احترام ہمیشہ اہل کتاب سے زائد کیا۔ وہ اس ساری انجیل کو از اوّل تا بہ آخر جعلی اور الحاقی قرار نہیں دیتے بلکہ وہ اس کے بعض مضامین کو قرآن کے مطابق پاتے ہیں، اور اُس میں کی بعض پیشینگوئیوں کو سچا سمجھتے ہیں گو ان کے مفہوم میں انہیں عیسائیوں سے اختلاف ہو۔

اعمال شل انجیل لوقا کے "رسولوں کے اعمال" کو بھی لوقا سے منسوب کیا گیا ہے لیکن اس کتاب میں صرف پطرس اور پولوس کے تاریخی حالات درج ہیں اور ظاہر ہے کہ تاریخی واقعات کی قلمبندی کو الہام سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ جو واقعات کہ قلمبند کئے گئے ہیں وہ صرف ذاتی معلومات کی بنا پر ہیں نہ کہ الہام کے تحت ہیں اور ایسی کتاب کا بائیبل میں شامل کیا جانا تعجب انگیز ہے۔ علاوہ ازیں عیسائیوں ہی میں سے فرڈولن ٹی

ٹیشنس اور مارسیونی اور سویرینس و نیز چند دیگر فرقوں نے بھی اس کتاب کے معتبر ہونے سے انکار کیا ہے۔

پولوس کے خطوط کتاب اعمال کے بعد مجموعہ کتب عہد جدید میں پولوس کے (۱۴) خطوط درج کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک خط جو عبرانیوں کے نام ہے عام طور پر مشکوک ٹھیر اگیا ہے کتاب "سوال و جواب" مترجمہ پادری یونس سنگھ اور پادری ولش صاحب میں سوال ۱۵۲ کے جواب میں عبرانیوں کے خط کے متعلق یوں لکھا ہے کہ اس کی بابت لوگوں میں بڑا اختلاف ہے۔ "بہتیرے اسے پلوس سے نسبت دیتے ہیں اور بہت سے عالی سند نکتہ داں اس بات کو اعتماد کے ساتھ رد کرتے ہیں پر اس راقم کا تصفیہ نہیں کر سکتے۔" پھر اسی کتاب میں آگے چل کر لکھا ہے کہ "وہ یہ کہتے ہیں کہ اس کا طرز پلوس کے طرز کے مانند نہیں، اکثر مقامات میں اس کے طرز سے اختلاف پڑتا ہے۔ جو لوگ کہ یونانی کا بخوبی علم رکھتے ہیں وے کہتے ہیں کہ اس خط کی یونانی پلوس کی یونانی سے مشابہ نہیں ہے۔" یہ امر بھی غور طلب ہے کہ اس خط میں راقم کے نام کا کہیں ذکر نہیں۔ تاریخ یوسی بیس کی چھٹی کتاب کے باب ۲۵ میں اُرجن کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "جو اقوال قبل ہمارے زبان زد رہے ہیں یہ ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ کلیمنٹ نے جو روم کا بشپ تھا نامہ عبرانیوں کو تصنیف کیا اور بعض کہتے ہیں ———— یہ لوقا کا ترجمہ کیا ہوا ہے۔" ارینیس بشپ لینس (تخمیناً ۱۷۸ء) اور ہپ پولیتس (۲۲۰ء) اور نوکی آس پریسبٹر روم (تخمیناً ۲۵۱ء) نے اس نامہ سے بالکل انکار کیا ہے ٹرٹیلین جو ۲۰۰ء کے قریب کارتھیج کا پریسبٹر تھا عبرانیوں کے نامہ کو نامہ برنباہ بتلاتا ہے کیس جو ۲۱۲ء کے قریب روم کا پریسبٹر تھا پولوس کے صرف تیرہ (۱۳) نامے گنتا ہے اور نامہ عبرانیوں کو شمار میں نہیں لاتا۔ سائی پرن جو ۲۴۸ء میں کارتھیج کا بشپ گذرا ہے اپنی تحریروں میں اس نامہ کا سرے سے حوالہ ہی نہیں دیتا۔

مندرجہ بالا بحث پولوس کے صرف ایک خط کے متعلق تھی مگر ان کے تمام خطوط عیسائی مصنفین کے ہی ہاتھ سے مجروح ہو چکے ہیں پادری ناکس صاحب اپنی تفسیر اعمال مطبوعہ الہ آباد ۱۸۶۷ء کے مقدمہ کتاب کے صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں کہ کتاب اعمال میں باب ۱۲ سے لیکر باب ۲۸ تک پولوس کے تمام واقعات و حالات و اعمال کا ذکر ہے مگر پولوس کے ان خطوط کا کہیں ذکر نہیں۔ یوسی بیس اپنی تاریخ کی چھٹی کتاب کے باب ۲۵ میں

ارنچین کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ "پولوس نے تمام گرجوں کو کچھ لکھکر نہیں بھیجا مگر بعض کو جو لکھا تو بھی دو چار سطر عبارت"۔ لارڈنر صاحب اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۷ء جلد ۵ صفحہ ۳۸۳ پر ارنچین کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ فرقہ ابیونی کے دونوں گروہوں نے پولوس کے نامجات کو رد کیا تھا اور پولوس کو دانا اور نیک آدمی نہیں سمجھتے تھے۔ یوسی بیس بھی اس قول کی تائید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ابیونیوں کے نزدیک پولوس توریت سے منحرف تھا۔

افسیون کے نام پہلا خط جس کا حوالہ افسیون کے باب ۳ آیہ ۳ و ۴ میں موجود ہے مجموعہ کتب عہد جدید میں شامل نہیں تعجب ہے کہ پولوس کے جو خطوط انجیل میں شامل ہیں اُن کا تو کہیں سے کوئی ثبوت بہم نہیں پہنچا لیکن جن خطوط کا ثبوت انجیل مروجہ میں ملتا بھی ہے اُن کا کہیں پتا نہیں۔

اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ خطوط پولوس ہی کے لکھے ہوئے ہیں تو ان خطوط کے الہامی ہونے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ اول قرنتیوں کے باب ۷ آیہ ۱۲ میں پولوس لکھتا ہے کہ:-

"پر باقیوں کو خداوند نہیں میں کہتا ہوں ......"

جس سے صاف ظاہر ہے کہ پولوس اپنی طرف سے لکھ رہا ہے اور جو کچھ لکھ رہا ہے وہ اپنی رائے سے لکھ رہا ہے نہ کہ الہام سے کیونکہ اگر الہام سے لکھتا تو وہ لکھا ہوا خداوند کی طرف سے ہوتا اسی طرح اسی باب کی آیہ ۲۵ میں وہ لکھتا ہے کہ:- "پر کنواریوں کے حق میں خداوند کا کوئی حکم مجھ پاس نہیں لیکن جیسا دیانتدار ہونے کے لئے مجھ پر خداوند کی طرف سے رحم ہوا ویسا ہی میں اپنی رائے ظاہر کرتا ہوں"

دوم قرنتیوں کے باب ۸ آیہ ۸ میں پولوس لکھتا ہے کہ:- "کہ میں کچھ حکم کے طور پر نہیں بلکہ اوروں کی سرگرمی کے سبب تمہاری محبت کی حقیقت آزمانے کے لئے یہ کہتا ہوں"

اس نوع کی عبارت کو الہام ربانی سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ اگر انجیل مروجہ کو خدا کی کتاب یا عیسیٰ مسیح کی کتاب قرار دیا جاتا ہے۔ تو پولوس کی ذاتی تحریروں کی اس میں شمولیت کیونکر جائز ہو سکتی ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ یہ تحریریں بھی ہر اعتبار سے مشکوک ہوں اور پولوس اُن بارہ تخت نشینوں میں سے بھی نہ ہوں جن کی نشان دہی مسیح نے کی اور جنہیں تخت نشینی کی بشارت دی گئی جیسا کہ متی باب ۱۹ آیہ ۲۸ میں ذکر آیا ہے۔

یعقوب کا خط فرقۂ پروٹسٹنٹ کے پیشوا مارٹن لوتھر نامہ یعقوب کے متعلق یہ رائے رکھتے تھے کہ "یہ گھاس پھوس ہے" یعنی نہایت بے قدر اور ناقابل اعتبار۔ وارڈ صاحب اپنی کتاب "اغلاط نامہ" کے صفحہ ۳۷ پر لکھتے ہیں کہ:۔

"پومرن جو کہ شاگرد رشید لوتھر اور علمائے کبار فرقہ پروٹسٹنٹ سے ہے لکھتا ہے کہ یعقوب اپنے نامہ کو واہیات میں تمام کرتا ہے اور حوالہ کتابوں کا ایسا مختلف دیتا ہے کہ جس میں روح القدس نہیں رہ سکتا۔ اس لئے وہ نامہ الہامی کتابوں میں نہ گنا جائے"

یعقوب باب ۵ آیہ ۱۴ میں ہے کہ:۔

"اگر کوئی تم میں بیمار پڑے تو کلیسے کے بزرگوں کو پاس بلائے اور وے خداوند کے نام سے اس پر تیل ڈھال کے اس کے لئے دعا مانگیں"

مندرجہ بالا حکم کے متعلق مارٹن لوتھر لکھتے ہیں کہ:۔

"گو یہ نامہ یعقوب کا ہو مگر میں جواب دیتا ہوں کہ حواری کو نہیں پہنچتا کہ اپنی طرف سے سکرمنٹ (یعنی حکم شرعی) بنا دے۔ یہ منصب صرف عیسیٰ (علیہ السلام) کا تھا"

یہ وہی یعقوب ہیں جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے پولوس کو خادم دین بنایا۔ اور یہی وہ ترکیبیں ہیں جن سے پولوسیوں کو جرأت ہوئی کہ وہ اپنی رائے سے ترمیم و تنسیخ عمل میں لا کر شریعت کی اصلی صورت کو تبدیل کر ڈالیں اس اجمال کی تفصیل دوسرے موقعہ پر انشاء اللہ آئے گی۔

پطرس کے دو خطوط اس کے بعد پطرس کے دو خطوط مجموعہ میں شامل ہیں پطرس کا شمار عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں ہے مگر تعجب ہے کہ بعض عیسائی مصنفین نے ان پر بھی بہت لے دے کی ہے ذرا ملاحظہ فرمایئے کہ عیسائی تحریریں ان کے متعلق کیا کہتی ہیں یہ وہی پطرس ہیں جنہیں مخاطب کر کے مسیح نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ:۔"اے کم اعتقاد تو کیوں شک لایا" (متی باب ۱۴۔ آیہ ۳۱) دوسرے موقعہ پر

مسیح نے انہیں شیطان کہا متی باب ۱۶ آیہ ۲۳ میں ہے کہ :- "پر اس نے (یعنی مسیح نے) پھر کے پطرس سے کہا اے شیطان میرے سامنے سے دُور ہو تو میرے لیئے ٹھوکر کا باعث ہے کیونکہ تو خدائی باتوں کا نہیں بلکہ انسان کی باتوں کا خیال رکھتا ہے" بالآخر جب کہ مسیح کے مصلوب ہونے کا وقت قریب آیا تو مسیح نے پیشین گوئی کی کہ اُسی رات مرغ کے بانگ دینے سے پہلے پطرس تین مرتبہ مسیح کا انکار کریگا چنانچہ یہ پیشینگوئی پوری ہوئی (دیکھو متی باب ۲۶ - آیہ ۳۴ اور آیہ ۶۹ تا ۷۵) مسٹر پولک پطرس پر غلطی اور انجیل کے متعلق جہالت کا الزام لگاتے ہیں - برنشس جو کہ بقول جوئل صاحب کے ایک فاضل اجل عیسائی کہتا ہے کہ حواریوں کے سردار پطرس نے اور برنباہ نے بھی بعد نزول روح القدس کے غلطیاں کیں - جان کاون کا قول ہے کہ پطرس نے کلیسا میں بدعات پھیلائیں اور عیسائیوں کی آزادی کو خطرہ میں ڈالا ، اور توفیق طاعت کو ان سے چھین لیا - اس بارہ میں وہ پطرس اور برنباہ کو بہت ملامت کرتا ہے - والی ٹیکر جو فرقہ پروٹسٹنٹ میں ایک زبردست عالم گزرا ہے کہتا ہے کہ بعد عروج مسیح اور نزول روح القدس کے سارے کلیسہ نے غلطی کی ہے نہ صرف عوام بلکہ خواص نے بھی - بلکہ حواریوں نے بھی جو غیر اسرائیلیوں کو ملت مسیحی کی جانب دعوت دی اور پطرس نے اور بھی غلطی رسوم میں کی اور یہ بڑی غلطیاں حواریوں سے بعد نزول روح القدس کے ہوئیں" گلیتوں کے باب ۲ آیہ ۱۱ تا ۱۴ میں پولوس کا قول درج ہے کہ :- "پر جب پطرس انطاکیہ میں آیا تو میں نے روبرو اس سے مقابلہ کیا اس لیئے کہ وہ ملامت کے لائق تھا کیونکہ وہ پیشتر اس سے کہ کئی شخص یعقوب کی طرف سے آئے غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا - پر جب وے آئے تو مختونوں سے ڈر کر پیچھے ہٹا اور الگ ہو گیا اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ دورنگی کی یہاں تک کہ برنباس بھی ان کی ریا میں شریک ہوا" تعجب ہے کہ جس پطرس پر ان غلطیوں اور ریاکاریوں کا الزام لگایا گیا ہے اسی پطرس کے دو خطوط کو الہامی نوشتوں میں شامل کر کے کتب مقدس عہد جدید میں جگہ دی جاتی ہے اور ایسی تحریروں کو انجیل مروجہ کے اجزا ترکیبی کا مرتبہ دیا جاتا ہے -

یوحنا کے خطوط و مکاشفات اس کے بعد یوحنا کے تین خطوط مجموعہ میں درج ہیں اور سب سے آخر میں مکاشفات۔ پہلے خط کی بابت مفتاح الکتاب کے صفحہ ۲۰۰ پر لکھا ہے کہ "اگرچہ اس خط کے شروع یا آخر میں یوحنا کا نام نہیں ہے مگر ہر زمانہ کے لوگ اسی رسول کو اس خط کا راقم کہتے آئے ہیں"۔ مگر یہ کچھ نہیں لکھا کہ یہ خیال کن واقعات پر مبنی ہے صرف انداز عبارت اور مضامین خط سے ان امور میں خاطر خواہ رہنمائی نہیں ہوسکتی دوسرے خط کی بابت مفتاح الکتاب میں لکھا ہے کہ "جس برگزیدہ بی بی کو یہ لکھا گیا وہ بظاہر ایک عزت دار عیسائی بیوہ تھی جو کلیسوں میں مشہور تھی لیکن اس کی تحقیق خبر نہیں کہ وہ کہاں کی رہنے والی تھی۔ شاید اس کا ٹھکانہ شہر افسس کے قرب وجوار میں تھا۔ اگرچہ اس خط میں راقم کا نام نہیں پایا جاتا تو بھی صریح ہے کہ یوحنا ہی نے یہ ۹۰ سنہ کے قریب لکھا"۔ تعجب ہے کہ جس خط میں نہ کاتب کا نام درج ہے، نہ مکتوب الیہا کا، نہ تاریخ تصنیف؛ اُس خط کی مکتوب الیہا کی سکونت کا مقام اور اس خط کی تصنیف کا سنہ مصنف مفتاح الکتاب کو کس ذریعہ سے معلوم ہوا بالخصوص جبکہ عیسائی مصنفین میں اس بارہ میں اختلاف ہو۔ پادری یونس سنگھ اور پادری واٹش نے اپنی کتاب سوال وجواب میں سوال ۲۹۱ کے جواب میں یوحنا کے اس دوسرے خط کی بابت لکھا ہے کہ "بعضے گمان کرتے ہیں کہ برگزیدہ بی بی یروشلم کی کلیسہ کا لقب تھا پر لوگ بالاتفاق اس بات پر قوی نہیں ہیں اور اس کی نسبت عام خیال یہ ہے کہ وہ ایک عورت تھی جو اپنی دینداری کے باعث مشہور تھی"۔

ڈاکٹر ڈیوڈسن کا قول ہے کہ سُریا کا کلیسہ پطرس کے دوسرے خط اور یوحنا کے دوسرے اور تیسرے خطوط اور یہوداہ کے خطوط اور یوحنا کے مکاشفات کو تسلیم نہ کرتا تھا۔ کونسل لوڈیسا ۳۶۴ سنہ نے بھی کتاب مکاشفات کو معتبر نہیں قرار دیا۔ جروم کے عہد میں بھی بعض کلیساؤں نے اس کتاب کو نہیں مانا یوسی بیس اپنی تاریخ کی کتاب ۷، باب ۲۵ میں لکھتا ہے کہ بعض نے کتاب مشاہدات کو علیحدہ کردیا ہے اور اس کے رد میں کوشش کی ہے اور کہا ہے کہ یہ سب کچھ بے معنی ہے اور جہالت کا بہت بڑا حجاب ہے اور یوحنا کی طرف اس کی نسبت بالکل غلط ہے کیونکہ اس کا مصنف نہ کوئی پاک شخص ہے۔ نہ کوئی عیسائی ہے بلکہ

ایک ملحد سرن تہس ہے جس نے اپنی تصنیف یوحنا کے نام سے غلط موسوم کردی لارڈ نر اپنی کتاب کی جلد ۴ کے صفحہ ۳۲۲ پر لکھتے ہیں کہ مکاشفات یوحنا پرانے سریانی ترجمہ میں شامل نہیں۔

یہوداہ کا خط مجموعہ کتب عہد جدید میں خطوط یوحنا اور مکاشفات یوحنا کے درمیان یہوداہ کا جو ایک خط درج کردیا گیا ہے اس سے بکثرت مسیحی علمائے متقدمین کو انکار رہا ہے گرڈلیس کا قول اس بارہ میں یہ ہے کہ یہ اس یہوداہ کا خط ہے جو اورین کے عہد میں یروشلم کا پندرہواں اسقف تھا۔ بائبل کے حصہ عہد جدید کے متعلق یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس نوع کی کتابیں زمانہ دراز تک مجموعہ میں شامل نہیں کی گئیں۔ یعنی جب تک کہ ان کتابوں کے معتبر یا نامعتبر ہونے کے متعلق تحقیقات بآسانی کی جاسکتی تھی اس وقت تک تو یہ بائبل میں شامل نہ کی گئیں اور کئی سو برس بعد جب اس قسم کی تحقیقات کا زمانہ گذر گیا اور ان کی صحت یا عدم صحت کی کیفیت کا دریافت کرنا ناممکن ہوگیا اس وقت یہ کتابیں یک بیک بائبل میں شامل کرلی گئیں۔

کیا یہ کتابیں الہامی ہیں؟ ریس کی سائیکلو پیڈیا کی جلد ۱۹ میں عیسائی نقطہ نظر سے اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے اور صاف طور پر لکھ دیا گیا ہے کہ لوگوں نے کتب مقدسہ کے تماماً الہامی ہونے کی نسبت بہت کچھ گفتگو کی ہے اور ان کا کہنا یہ ہے کہ ان کتابوں کے مؤلفین کے افعال اور ان کی تحریروں میں غلطیاں بھی ہیں۔ اور اختلافات بھی۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حواری بھی آپس میں ایک دوسرے کو صاحب وحی نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ یروشلم کی کونسل میں آپس کی چھیڑ چھاڑ اور پولوس کے پطرس پر الزامات لگانے سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے پھر اس امر کا بھی اظہار کیا گیا ہے کہ قدیم زمانے سے عیسائیوں کا خیال ان لوگوں کے متعلق یہ تھا کہ یہ لوگ خطا سے خالی نہیں اور بعض صورتوں میں ان کے حرکات وسکنات پر روک ٹوک بھی ہوتی ہے۔ بحث مذکورہ میں ایک فقرہ یہ بھی درج ہے کہ :" ہم نہیں پاتے کہ حواری لوگ ایسے طور پر گفتگو شروع کرتے ہوں جیسے پیغمبر شروع کرتے تھے کہ وہ خدا کی طرف سے بولتے تھے"۔ اس کے بعد سائیکلوپیڈیا

مذکور میں لکھا ہے کہ :۔ ہیکانس نے اس ہوشیاری اور بیدار مغزی سے جوکہ اس عظیم مقصد کے لئے ضروری تھی طرفین کے دلائل کو تول کر اس مسئلہ کا یہ فیصلہ کیا ہے کہ نامجات کے لئے تو الہام البتہ مفید ہے لیکن تاریخی کتابوں کے لئے جیسے کہ اناجیل اور اعمال ہیں اگر الہام سے بالکل قطع نظر کر لی جائے تو کچھ نقصان نہیں بلکہ کچھ فائدہ ہی ہوگا۔ اگر تاریخی معاملات میں حواریوں کی گواہی صرف دیگر انسانوں کی گواہی کی طرح مانی جاوے جیسا کہ مسیح نے یوحنا باب ۱۵ آیہ ۲۷ میں کہا ہے"۔ جس آیہ کی جانب یہاں اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ اور اس سے اوپر کی آیت یہ ہے:۔

"۲۶۔ پر جب کہ وہ تسلی دینے والا جسے میں تمہارے لئے باپ کی طرف سے بھیجوں گا۔ یعنی روح حق جو باپ سے نکلتی ہے آوے تو وہ میرے لئے گواہی دیگا۔

۲۷۔ اور تم بھی گواہی دو گے اور کیونکہ تم شروع سے میرے ساتھ ہو"۔ (یوحنا۔ باب ۱۵)

مندرجہ بالا آیہ ۲۶ وہی معرکۃ الآراء آیت ہے جس پر مسلمانوں اور عیسائیوں میں بڑے زور و شور کی بحثیں رہی ہیں۔ مسلمان محققین کا فیصلہ ہے کہ اس آیت میں "تسلی دینے والا" غلط ترجمہ ہے یا تو ترجمہ میں غلطی کی گئی ہے یا دیدہ و دانستہ یہاں تحریف سے کام لیا گیا ہے اصل لفظ فارقلیت ہے جس کا صحیح ترجمہ "ستودہ صفات" یعنے احمد و محمد ہے اور یہ پیشگوئی نبی آخرالزمان کی شان میں کی گئی ہے مگر اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو انشاء اللہ الحاق و تحریف کی بحث میں آئے گی۔

بعد کی آیت یعنی مندرجہ بالا آیہ ۲۷ کے سلسلہ میں اس امر کی جانب اشارہ کر دینا یہاں نامناسب نہ ہوگا کہ بعض معقول پسند اور سمجھدار عیسائیوں کے نزدیک بھی اناجیل مروجہ حواریوں یا حواریوں کے شاگردوں کی لکھی ہوئی صرف تاریخی کتابیں ہیں اور اس سے زیادہ وقعت کی وہ مستحق نہیں، اور مسلمانوں کا اس بارہ میں کہنا یہ ہے کہ ہمارے عقیدہ کے مطابق قرآن عظیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو وحی کے ذریعے سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا۔ اور ہم تک بلا کسی تغیر و تبدل اور بلا کسی کمی و بیشی کے پہنچا لیکن موجودہ

اس قسم کا کلام نہیں۔ یہ انجیل نہ وہ کلام الٰہی ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر حق تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا ہو اور ہم اور ہم تک بلا تغیر و تبدل اپنی اصلی صورت میں پہنچا ہو۔ نہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کی تصنیف ہے نہ آپ کی دیکھی ہوئی اور تصدیق کی ہوئی کوئی کتاب ہے بلکہ یہ محض حواریوں اور ان کے شاگردوں کے ملفوظات ہیں اور وہ بھی بگڑی ہوئی اور مسخ شدہ صورتوں میں۔ ان حالات میں انجیل مروجہ کا قرآن پاک سے کوئی مقابلہ نہیں کیونکہ احادیث کی صحت کا جو اہتمام مسلمانوں نے آج تک رکھا ہے اور احادیث کی صحت و عدم صحت اور صحت کے مختلف مدارج کے تعین میں جو کوشش بلیغ اُنہوں نے کی ہے۔ اور اصول روایت و درایت کی تدوین میں جس کمال کا اُن سے اظہار ہوا ہے اُس کی نظیر دنیا کی کسی دوسری قوم نے آج تک پیش نہیں کی۔ ہاں اس انجیل کا موازنہ بزرگوں کے ملفوظات سے ہو سکتا ہے مگر اس موازنہ کے بعد بھی مشکل ہے کہ عہد جدید کی کتابوں کا پلہ بھاری نکلے۔ اس مسئلہ پر بھی تفصیلی بحث کا موقع اسی سلسلہ مضامین میں آگے چل کر آئے گا،

Mohamad Usman
Jahumaa Mahaall

سرگذشت اناجیل

اناجیل اربعہ اور بقیہ کتب عہد جدید کسی کی بھی اصلی تصنیف ہوں اور کسی زمانہ میں بھی تصنیف ہوئی ہوں، الہامی ہوں خواہ مصنفین کی ذاتی تصانیف، اُن کے مذہبی تقدس کے تسلیم ہونے اور ان کے قابل اعتماد ہونے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ اس بات کا کافی طور پر اطمینان کر لیا جائے۔ کہ ان کا اصلی اور ابتدائی وجود آج اپنی سچی صورت میں ہمارے سامنے باقی بھی ہے یا نہیں اور جو کتابیں آج ہمارے سامنے پیش کی جاتی ہیں وہ اپنی اصلی صورت میں قائم بھی ہیں یا نہیں اس امر کی تحقیقات کے لئے ضرورت ہے کہ:۔

(۱) قدیم نسخوں کو ٹٹولا جائے۔ ان کی قدامت کا حال دریافت کیا جائے۔ پھر اُن سے موجودہ مروجہ نسخوں کا مقابلہ کیا جائے۔

(۲) تراجم کی صحت یا عدم صحت پر تنقیدی نظر ڈالی جائے۔

(۳) بعض مصنفین قدیم نے اناجیل کے بعض مضامین کو اپنی تصانیف میں جگہ دی ہے جس سے عیسائی علما اناجیل مروجہ کی قدامت وصحت پر دلیل لاتے ہیں۔ چنانچہ اس دعوے پر بھی تحقیقی نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

قدیم نسخے:۔ اس بات پر مسیحی علما کا اتفاق ہے کہ انجیل کے جتنے اصلی نسخے تھے سب ضائع ہو چکے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کی زبان عبرانی تھی۔ چنانچہ متی کی انجیل (باب ۲۷ آیہ ۴۶) میں جو فقرہ عیسیٰ علیہ السلام کی زبان کا نکلا ہوا درج ہے کہ "ایلی ایلی لما سبقتانی" (یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) وہ عبرانی زبان میں ہے اسی سلسلہ کے مضمون نمبر ۴ میں بتلایا جا چکا ہے کہ بکثرت عیسائی علما تسلیم کرتے

ہیں کہ متی کی انجیل عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی۔ مگر آج وہ عبرانی نسخہ اس دنیا سے مفقود ہے اور اُس کو غائب ہوئے بارہ سو برس سے زائد گذر چکے۔ اب یونانی زبان کے ترجمے ہی عہد جدید کی اصلی کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔ مگر ان قدیم یونانی نسخوں میں سے جو کہ تعداد میں بہت ہی کم ہیں کوئی نسخہ چوتھی صدی عیسوی سے پہلے کا نہیں بیان کیا جاتا۔ اور ان کے چوتھی صدی کا ہونے میں بھی بہت کچھ اختلاف ہے۔ فرنیس کرانورڈ برکٹ فاضل علوم و دینیات و پروفیسر الٰہیات متعینہ کیمبرج یونیورسٹی انسائیکلوپیڈیا یا برٹانیکا مطبوعہ ۱۹۲۹ء کی جلد ۳ میں زیرعنوان "بائیبل" تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"بہت عرصہ ہوا کہ عہد جدید کے اصلی قلمی نسخے ضائع ہو چکے ہیں باستثناء چند منتشر اجزاء کے جو سب کے سب شمالی مصر سے دستیاب ہوئے۔ یہی حشر عیسائیوں کی بقیہ دیگر قدیم قلمی کتابوں کا بھی ہوا۔ جب چوتھی صدی (عیسوی) میں حکومت عیسائی ہو گئی اور چرچ قائم ہوا تو نسخوں کی باقاعدہ نقلیں شروع ہو گئیں جنہیں کوڈیکس کہتے ہیں۔ چوتھی صدی کے اس قسم کے صرف دو کوڈیکس اب باقی ہیں اور ان میں جو کچھ درج ہے۔ اُسی کو اس زمانہ میں پوری بائیبل سمجھا جاتا تھا۔

ہارن صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:۔

یونانی نسخے بہت کم ہیں جن میں عہد عتیق اور جدید دونوں کی کتابیں موجود ہوں۔ اکثر میں صرف ۴ انجیلیں ہی پائی جاتی ہیں۔ اور بعض نسخوں میں صرف حواریوں کے اعمال اور بعض میں اعمال اور پولوس کے نامے اور چند نسخوں میں صرف مشاہدات یوحنا۔ سب نسخے بالخصوص وہ جو زیادہ قدیم ہیں زمانہ کے دست تصرف سے یا غفلت سے ناقص ہو گئے ہیں ان نسخوں میں پہلے کے لکھے ہوئے کو مٹا کر اس کی تصحیح کی ہے۔ بعض جگہ خوب نہیں مٹایا کیونکہ اصلی لکھا ہوا بھی معلوم ہوتا ہے۔ اصلی لکھے ہوئے کو بعد کی تصحیح پر ترجیح دی جاتی ہے پہلے لکھے ہوئے کو کہیں تو اس طرح مٹایا ہے کہ الفاظ پر خط کھینچ دیا گیا ہے۔

کہیں چاقو سے چھیلا ہے کہیں اسفنج سے پونچھ دیا گیا ہے اور اس جگہ دوسرے الفاظ لکھدیئے گئے ہیں۔ اس طرح کا مٹانا چند حروف یا الفاظ تک محدود نہیں بلکہ کوڈیکس بیزی اور دیگر کتب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح پوری کتابیں کی کتابیں صاف کرکے اُن پر دوسری کتابیں لکھدی گئی ہیں۔ جہاں بسبب زمانہ دراز کے کوئی تحریر اڑ جاتی اس کو اُسی طرح رہنے دیتے اور بغیر زیادہ مٹانے کے اُسی پر دوسری تحریر لکھدیتے + + + + + + + + + مدت تک یہ خیال رہا کہ یہ روش گیارہویں بارہویں تیرھویں اور چودھویں صدی تک رہی اور یونان میں بالتخصیص جاری رہی مگر حقیقت یہ ہے کہ وحشت اور جہالت کی یہ قباحت زیادہ عرصہ تک قائم رہی اور رومیوں میں بھی پھیلی رہی "

فن طباعت کی ایجاد سے قبل اور کاغذ کے وجود میں آنے اور ارزاں ہونے سے پیشتر کتابوں کی اشاعت میں جو دقتیں پیش آتی تھیں اُن کا ذکر اسی سلسلہ کے مضمون نمبرا میں آچکا ہے اُسی مضمون میں "سرگذشت توریت" کے زیر عنوان توریت کی جو آٹھ تباہیاں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے آخری پانچ بربادیوں میں جو کہ ولادت مسیح کے بعد واقع ہوئیں اناجیل اور بقیہ کتب عہد جدید بھی شامل ہیں حفّاظ کے وجود کا نہ ہونا جو یہودیوں کی خامی کا باعث تھا عیسائیوں کی بھی خامی کا باعث رہا۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ بعض پادریوں کے علاوہ کسی کو اپنے پاس انجیل رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ عوام الناس کو اس زمانہ میں انجیل پڑھنے تک کی ممانعت تھی۔ ۱۵۲۴ء میں شہر لیزک میں ایک کتب فروش جس کا نام ہرگاٹ تھا۔ صرف اس جرم پر قتل کردیا گیا کہ اُس نے ایک انجیل فروخت کی تھی۔ اسی جرم میں ایک دوسرے کتب فروش کی آنکھیں نکالی گئیں تھیں مارٹن لوتھر کے زمانہ سے انجیلوں کو شہرت ہوئی ہے۔ مگر طباعت کی ایجاد کے بعد بھی کچھ عرصہ تک انجیلیں بہت گراں رہیں۔ ہندی تواریخ کلیسا کے صفحہ ۲۳۲ پر لکھا ہے۔ کہ فرانس میں جو انجیل کہ پانچسو روپیہ میں فروخت ہوتی تھی وہ ایجاد طباعت کے بعد بھی وہاں ایک سو بیس سے کم میں دستیاب نہ ہوتی تھی۔ پھر ایک عیسائی

تصنیف مرآت الصدق (صفحہ ۴۸۸-۴۹۰) کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نوع کے واقعات بھی پیش آتے رہے ہیں پروٹسٹنٹ عیسائیوں نے رومن کیتھولک عیسائیوں کی عداوت میں وہ تمام کتب خانے غارت کر دیئے جن کا ذکر جی۔ بیل رو رو کر کرتا ہے ان کتابوں کو غرق کیا۔ ان کے اوراق سے اپنے شمعدان اور جوتے صاف کئے۔ دوکانداروں اور صابون بیچنے والوں کے ہاتھ انہیں فروخت کیا کہ وہ ان سے پڑیاں بنائیں بسمندر پار کے جلد سازوں کے ہاتھ ان کتابوں کو فروخت کیا اور وہ بھی کچھ سو پچاس کی تعداد میں نہیں بلکہ جہاز کے جہاز لاد کر۔ مذہبی کتابیں عداوت باہمی کی بنا پر اس کثیر تعداد میں برباد ہوئیں کہ غیر اقوام کے لوگوں کو تعجب آتا تھا۔ اس نوع کے واقعات کا یہ نتیجہ ہوا کہ اصلی کتابیں برباد ہو گئیں اور نقلی اور جعلی کتابوں نے ان کی جگہ لے لی۔ ممکن ہے کہ ان جعلی کتابوں میں سب جھوٹ ہو یا کچھ سچ ہو اور کچھ جھوٹ۔ دونوں صورتوں میں وہ محققین کی نگاہ سے گر گئیں اور آج یورپ میں عیسائی جماعتوں ہی کے لوگ ان پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں اور انہیں ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں

قدیم عیسائی محققین نے اپنے زمانہ کے ان قلمی نسخوں کو جو اصلی نسخوں کی نقلیں بیان کئے جاتے تھے کوشش بلیغ سے عبارات کا مقابلہ کر کے متعدد اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ ڈاکٹر گریس باخ (گریس بک) کے وضع کردہ قوانین کے مطابق عہد جدید کے یونانی نسخے تین اقسام میں تقسیم کئے گئے ہیں:-

(۱) پہلی قسم الیگزنڈرین ہے جس کو مصری نسخہ بھی کہتے ہیں۔ اس قسم میں وہ تمام قلمی نسخے داخل ہیں۔ جن کی مشہور عبارتیں الیگزنڈریا (اسکندریہ) کے مؤرخین ومصنفین کی ان عبارات سے مطابقت رکھتی ہیں جو ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں۔ ان مصنفین میں اوریجن اور کلیمنٹ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ان دونوں مصنفین کے بعد مصریوں اور یونانیوں نے اسی نسخہ کو اختیار کر لیا۔

(۲) دوسری قسم آکسی ڈینٹل یا ویسٹرن یعنی مغربی نسخہ کی قرار دی جاتی ہے اس قسم کے نسخے افریقہ اٹلی اور مغربی یورپ میں مروج ہو گئے۔

۳۔ تیسری قسم بائزن ٹائین یا اورنٹیل یعنی مشرقی نسخہ کی ہے۔ پانچویں اور چھٹی صدی کے درمیان محققین کے ہاتھ ایک ایسا نسخہ آگیا جو متذکرہ بالا دونوں نسخوں سے مختلف تھا۔ یہ نسخہ قسطنطنیہ میں مقبول ہوگیا۔ قسطنطنیہ کو اس زمانہ میں بائیزن ٹائین کہتے تھے۔ اور وہ پوپ کا پائے تخت تھا چنانچہ قرب و جوار کے صوبے اور ممالک اور وہ تمام لوگ جو قسطنطنیہ کے پوپ کے روحانی تسلط کے مطیع تھے، بائزن ٹائین نسخہ کے بھی مطیع ہو گئے۔ اس نسخہ کی عبارتیں یونانی ولگٹ کے نسخہ سے بہت مطابقت رکھتی ہیں۔ مسٹر میکیس نے بائزن ٹائین نسخہ کو قدیم و جدید کی تفریق سے بھی تقسیم کیا ہے۔ مگر کوئی قاعدہ مقرر نہیں جس کی رُو سے ہم قدیم و جدید میں تمیز کر سکیں۔

متذکرہ بالا تین اقسام پر مسٹر میکیس نے ایک چوتھی قسم کا اضافہ کیا ہے جسے وہ اڈیسین نسخہ ہیکیٹو یا پرانا سریانی زبان کا ترجمہ جدید قرار دیتے ہیں۔ اس نسخہ میں متذکرہ بالا تینوں نسخوں سے بہت اختلاف ہے۔

بعض پادریوں نے زمانہ کے اعتبار سے ان نسخوں کی ترتیب کی ہے مثلاً پروفیسر گریسباخ نے اور بعض نے دیگر اعتبارات سے انہیں تقسیم کیا ہے۔ مقصد ان تقسیمات و تحقیقات کا یہ تھا کہ اصلی اور غیر اصلی نسخوں میں امتیاز پیدا ہو سکے اور صحیح عبارات کو غلط عبارات سے تمیز کیا جا سکے۔ مگر اس میں ناکامی رہی اور پیچیدگیاں روز بروز بڑھتی گئیں۔ ہارن صاحب بالآخر تنگ آکر لکھتے ہیں کہ اب کسی نسخہ میں مصنف کی ساری عبارت درج نہیں بلکہ تمام جہان کے نسخوں میں وہ پھیلی ہوئی ہے۔ منشی صاحب لکھتے ہیں کہ مصنفوں کے اصلی نوشتے اب موجود نہیں ہیں اس لئے ان کے تمام اصلی الفاظ کسی ایک نقل میں نہیں ملتے لیکن جملہ نقول کے مقابلہ سے دریافت ہوتے ہیں۔ پادری فانڈر صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"اب در آنحالیکہ اصل نسخہ موجود نہ رہا اور قدیم کتابوں کا شاید ایک بھی اصل انتخاب تک باقی نہ رہا ہو، پس ان غلطیوں کے تصحیح کرنے کی کوئی اور راہ اور تدبیر نہیں ہے مگر یہ کہ اس کی سب نقلیں نزدیک و دور سے جمع کریں اور عالم و فاضل زباندان ان سب کو مقابلہ کر کے اس راہ سے تصحیح کریں اور جتنے نسخے زیادہ ہوں تصحیح

بھی اتنی ہی آسان ہوگی "

(اختتام دینی مباحثہ)

ہم یہ کہتے ہیں کہ مقابلہ کے لئے نسخے خواہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں جب اصلی نسخہ کا وجود ہی مفقود ہے تو یہ ظنی تصحیحات کیونکر معتبر ہو سکتی ہیں۔

کوڈیکس | اب ذرا ان قدیم قلمی نسخوں پر بھی نظر ڈال لینے کی ضرورت ہے جنہیں کوڈیکس کہتے ہیں اور جن کی قدامت کے زعم پر پادری عوام کے سامنے اناجیل مروجہ کی صحت و صداقت کا بڑے زور و شور سے دعوے کرتے ہیں مندرجہ ذیل حالات بیشتر ہالان صاحب کے انٹروڈکشن سے ماخوذ ہیں :-

(۱) کوڈیکس الیگزنڈرین یعنی نسخہ سکندریہ۔ اس نسخہ کو ۱۶۲۸ء میں قسطنطنیہ کے لاٹ پادری نے چارلس اوّل شاہ انگلستان کو نذر کیا۔ برٹش میوزیم میں موجود ہے عیسائی علماء مصححین بائبل نے قدامت کے لحاظ سے اسی نسخہ کو اوّل درجہ میں رکھا ہے یہ چار جلدوں میں ہے تین جلدوں میں عہد عتیق کی جھوٹی سچی ساری کتابیں شامل ہیں اور چوتھی جلد میں عہد جدید کی کتابیں۔ اس جلد میں کلیمنٹ کا نامہ اوّل بنام کارنتھنز اور زبور سلیمان بھی درج ہیں جنہیں عیسائی اب جعلی قرار دیتے ہیں عہد جدید کی کتابوں میں سے متی کی انجیل ابتداء سے باب ۲۵ آیہ ۶ تک اور یوحنا کی انجیل باب ۶ آیہ ۵۰ سے باب ۸ آیہ ۵۲ تک اور نامۂ دوم قرنتھیون کو باب ۴ آیہ ۱۳ سے باب ۱۲ آیہ ۷ تک غائب ہے زبور سے پہلے اتھانی سیش کا ایک نامہ بنام مارسیلینس زائد ہے اور اس کے بعد ایک فہرست ان زبوروں کی بھی درج ہے جو رات دن کے ہر گھنٹہ کی نماز میں استعمال کی جاتی ہیں۔ چند گیت بھی اس فہرست میں درج ہیں جن میں سے گیارہواں گیت حضرت مریم کی تعریف میں ہے بعض عیسائی عالموں نے اس نسخہ کی بہت تعریف کی ہے اور بعض نے انتہا درجہ کی مذمت۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ نسخہ کس نے لکھا کب لکھا اور کہاں لکھا گیا۔ گریب اور اسکا نیر اسے اختتام صدی چہارم سے قبل بتلاتے ہیں وٹسٹین پانچویں صدی کا، ڈاکٹر سیمبلر ساتویں صدی کا، میکیلس آٹھویں صدی کا، اوراوڈن

دسویں صدی کا بتلاتے ہیں ۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دسویں صدی عیسوی میں یورپ انتہا درجہ کی تاریکی اور جہالت میں غرق تھا اور نفسانیت جھوٹ دغا فریب اور جعل سازی کی گرم بازاری تھی۔

۲- کوڈیکس واٹیکن یعنی پوپ کے محل (روم) والا نسخہ، عیسائی علماء کے نزدیک اُس کا دوسرا نمبر ہے رومی ترجمہ سیپٹو اجنٹ (مطبوعہ ۱۵۹۰ء) میں اس نسخہ کا متن ہے ۔ اور رومی نسخہ کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ یہ نسخہ ۳۸۷ء سے قبل یعنی چوتھی صدی کے آخر کا لکھا ہوا ہے۔ پروفیسر ہگ کا خیال ہے کہ یہ چوتھی صدی کی ابتدا کا ہے بشپ مارش پانچویں صدی کے آخر کا بتلاتے ہیں مونٹ فاکن اور بلین کا ین پانچویں یا چھٹی صدی کا کہتے ہیں اور ڈیوین صاحب زور دیتے ہیں ۔ کہ نہیں یہ ساتویں صدی عیسوی کا ہے مونٹ فاکس تو اس امر پر زور دیتے ہیں ۔ کہ ایک بھی یونانی نسخہ چھٹی صدی عیسوی سے قبل کا لکھا ہوا نہیں ہے نہ کوڈیکس الیگزنڈرین اور نہ کوڈیکس واٹیکن اور یہ دونوں نسخے عیسائیوں کے نزدیک موجودہ تمام نسخوں میں قدیم ترین ہیں اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کے زمانہ میں اس زمانہ کے اہل کتاب کے پاس توریت وانجیل کے جو نسخے تھے وہ بھی اب غائب ہیں اور قرآن شریف میں توریت وانجیل کے جو حوالجات آئے ہیں اُن کا اُن کتابوں پر صادق آنا لازمی نہیں جو آج کل توریت وانجیل کے نام سے مشہور ہیں اس پہلو پر تفصیلی بحث انشاء اللہ کسی دوسرے موقع پر کی جائے گی۔

کوڈیکس واٹیکن کے حصہ عہد عتیق سے کتاب پیدائش کے چھیالیس ابواب (از باب اوّل تا باب چھیالیس) اور زبور کے بتیس ابواب (از باب ۱۰۵ تا ۱۳۷) غائب ہیں عہد جدید میں عبرانیوں کے باب ۹ آیۃ ۱۴ سے آخر نامہ تک اور دو نامے بنام تمتاؤس اور نامجات بنام طیطس اور فلیمان اور مشاہدات یوحنا کی پوری کتاب غائب ہے مگر پندرہویں صدی میں کسی نے مشاہدات اور آخر نامہ عبرانیاں لکھ کر کوڈیکس میں

شامل کردیا ہے اس نسخہ میں کاٹ چھانٹ بہت ہے بہت جگہ چھیلا گیا ہے پھر درست کیا گیا ہے یہ کوڈکس جس لاطینی ترجمہ (یعنی سیپٹو اجنٹ) کی نقل ہے اُس کے متعلق وارڈ صاحب اپنی کتاب غلطنامہ مطبوعہ ۱۸۴۱ئ کے صفحہ ۱۸ پر لکھتے ہیں کہ مشرق کے ملحدوں نے اس میں تحریفیں کی ہیں۔ ہارن صاحب لکھتے ہیں کہ۔

"یہ بات ضرور یاد رکھی جائے کہ کوئی ترجمہ مثل ترجمہ لاطینی کے خراب نہیں کیا گیا۔ اس کے نقل کرنے والوں نے بہت ناجائز خودسری سے عہد جدید کی ایک کتاب میں دوسری کتاب کے فقرے داخل کردیے اور حاشیہ کی عبارت کو متن میں درج کردیا ہے"۔

باوجود اس اہمیت کے جو مذکورہ بالا دونوں کوڈکسوں کو دی جاتی ہے تعجب ہے کہ ان دونوں میں اس درجہ اختلاف ہے۔ کہ ایک نام کی دو کتابوں میں ایسا اختلاف کہیں نظر نہیں آتا ہارن صاحب لکھتے ہیں کہ جہاں میں کسی کتاب کے دو نسخے ایسے مختلف نہیں جیسے کہ کوڈکس الیگزنڈرین اور کوڈکس واٹیکن ہیں پادری فانڈر صاحب اور دیگر عیسائی محققین کو بھی یہ شکایت ہے جب اہم ترین نسخوں کا یہ حال ہے تو کم مرتبہ نسخوں کے ذکر سے کاغذ کو رنگین کرنا لاحاصل ہے تاہم اطمینان مزید کے لئے چند دیگر کوڈکسوں پر بھی نظر ڈالی جاتی ہے۔

۳۔ کوڈکس سینا ئیٹکس یعنی نسخہ سینا۔ اس نسخہ کی آج کل خوب دھوم مچ رہی ہے اور انگلستان نے اسے جدید اہمیت دے رکھی ہے اس کی داستان بھی عجیب ہے جرمنی کا ایک مشہور عالم ڈاکٹر ٹشنڈرف ۱۸۴۴ئ میں موئٹ سینائی یعنی کوہ طور کی ایک مشہور عیسوی خانقاہ سینٹ کیتھرین کے کتب خانہ کی سیر کر رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ خدام خانقاہ آگ روشن کرنے کے لئے قلمی اوراق کا ڈھیر ایک ٹوکرے میں لاتے ہیں ڈاکٹر نے آگے بڑھ کر چند اوراق ٹوکرے سے نکال کر دیکھے تو معلوم ہوا کہ یہ تو بائبل کے یونانی نسخہ سبعینیہ کی کوئی پرانی نقل ہے بیتاب ہوگیا کیونکہ نسخہائے قدیم کا وہ دلدادہ تھا فوراً راہبوں سے درخواست کرکے چالیس اوراق ٹوکری میں سے اس نے اور نکال لئے اس کے انداز بیتابانہ کو دیکھ کر راہب سمجھ گئے کہ ٹوکرے میں اوراق کا یہ ڈھیر جو آگ

میں جھونکے جانے کے لئے آیا ہے غالباً کوئی قیمتی چیز ہے۔ اور کیا عجب کہ کسی موقعہ پر افزودنی دولت کا باعث ہو انہوں نے اس ٹوکرے کو اٹھا کر حفاظت سے رکھ لیا اور ڈاکٹر کی مزید درخواست پر اسے مزید اوراق دینے سے انکار کر دیا۔ ڈاکٹر نے جرمنی پہنچ کر اوراق بقیہ کے حصول و تحفظ کی کوشش شروع کر دی پندرہ برس کی مسلسل کوشش کے بعد وہ زار روس کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں کامیاب ہوا اور ۱۸۵۹ء میں وہ پھر اُس خانقاہ میں آیا۔ اس مرتبہ شاہی سفیر کی حیثیت سے آیا۔ بڑی کوشش اور بڑی مشکل سے کامل نسخہ کی تلاش کر کے راہبوں کو رضامند کیا۔ اور نسخہ اپنے ہمراہ لیکر روس کے پایۂ تخت میں آیا۔ یہ نسخہ وہاں کے شاہی کتب خانہ میں رہا۔ مگر سال گذشتہ بالشویکس نے اس نسخہ کو ایک لاکھ پونڈ قیمت پر حکومت انگلستان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس قیمت کا نصف حکومت اپنے پاس سے ادا کرے گی اور نصف رعایا سے چندہ لیا جائیگا برٹش میوزیم میں اب یہ نسخہ آ گیا ہے اور چونکہ لوگوں سے ابھی روپیہ وصول کرنا باقی ہے اس لئے اس کی قدامت اور تعریف کے اشتہارات کا آج کل زور ہے۔ ٹائمس آف انڈیا کا بیان ہے کہ اس کوڈیکس میں عہد عتیق کی کتابوں کا بڑا حصہ ہے جو کہ یونانی زبان میں ہے نہ کہ عبرانی میں لیکن عہد جدید کی پوری کتابیں ہیں جن میں انجیل برنباس اور "دی شیپرڈ آف ہرمس" بھی شامل ہیں۔ اسی ٹائمس آف انڈیا کی اشاعت مورخہ ۱۶ فروری ۱۹۳۴ء کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کے بعض حلقوں میں اس کوڈیکس پر آوازے بھی کسے جا رہے ہیں اور بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ کتاب جعلی ہے، اور کانسٹنٹائن سائمونائیڈز کا تیار کیا ہوا ہے جعل اور اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ کتاب ہے یہ شخص یونان کا رہنے والا اور انیسویں صدی کا مشہور جعلساز تھا۔ اس کا پیشہ ہی جعلسازی تھا صورت سے اس کے وجاہت ٹپکتی تھی۔ ماتھا اس کا بہت چوڑا تھا۔ قدیم قلمی تحریروں کے متعلق معلومات میں اور ان کی نقل کرنے کے فن میں دنیا میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا ہزاروں قلمی نسخے اس کے قبضہ میں تھے جو اس نے مختلف عیسائی خانقاہوں سے حاصل کئے تھے ان قلمی نسخوں کے ذریعہ وہ لوگوں کو دھوکا دیتا تھا اور انہیں اپنا گرویدہ بنا کر اپنے ہاتھ کی جعلی تحریروں کو بڑی بڑی قیمتوں پر ان کے ہاتھ فروخت کرتا تھا۔ ایک موقع پر وہ لیپزگ

میں گرفتار بھی ہوا تھا۔ اور برلن میں اس پر مقدمہ چلا تھا مگر جرم ثابت نہ ہوسکا اور عدالت مجبور ہوگئی کہ اُسے چھوڑ دے اس کے بعد اُس نے بڑے پیمانہ پر سیاحت شروع کردی اور بڑے بڑے کتب خانوں کی اس نے سیر بھی کیں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک موقعہ پر وہ خود اعتراف کرچکا ہے کہ کوڈیکس سینا ئیٹیکس میری ہی کاریگری کا نمونہ ہے۔

۴۔ کوڈیکس امیبروسینیس۔ ساتویں صدی کا لکھا ہوا بیان کیا جاتا ہے انداز عبارت شہادت دیتا ہے کہ زمانہ مابعد کے کسی شخص نے اس میں کچھ اضافہ کیا ہے۔

۵۔ کوڈیکس افرہمی یا کوڈیکس رجی آس۔ یہ نسخہ مصر میں لکھا گیا۔ عہد جدید کے بہت سے مقامات سے عبارت اُڑی ہوئی ہے بشپ مارش کی تحقیقات کی رو سے ساتویں صدی کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

۶۔ کوڈیکس بیزی۔ اس میں چار انجیلیں اور اعمال کی کتاب ہے چھیاسٹھ (۶۶) ورق اس میں بہت پھٹے ہوئے اور خراب ہیں۔ دس ورق کسی نے بعد میں لکھ کر لگائے ہیں متی کے پہلے باب کی بیس آیتیں غائب ہیں۔ زمانۂ تحریر میں اختلاف ہے۔ بعض دوسری صدی بعض پانچویں بعض چھٹی اور بعض ساتویں کا لکھا ہوا نسخہ بیان کرتے ہیں مگر ڈاکٹر گریسباخ اسے بارہویں صدی کا لکھا ہوا بیان کرتے ہیں اس نسخہ میں وقتاً فوقتاً اصلاحیں ہوتی رہی ہیں جن پر تفصیلی بحث گریسباخ نے کی ہے کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں یہ نسخہ موجود ہے

(۷) کوڈیکس کارس وانسنس۔ بارہویں صدی کا لکھا ہوا نسخہ ہے عہد جدید کی کتابوں پر مشتمل ہے بہت متنازمشاہدات یوحنا جس نسخہ سے اسے نقل کیا گیا ہے اس کے حاشیہ پر جو عبارت بطور شرح کے لکھی تھی وہ اس نقل میں متن کے ساتھ شامل کردی گئی ہے۔

اس سے زائد کوڈیکسوں اور پرانے قلمی نسخوں کے حالات دریافت طلب ہوں تو ڈاکٹر گریسباخ اور میکالس کی کتابوں کو ملاحظہ فرمائیے۔

اختلافات مابعد | قدیم نسخوں کی جب یہ کیفیت ہے تو بقول مابعد کا اختلافات سے محفوظ رہنا کیونکر قیاس

ہیں آسکتا ہے۔ جرمنی کے مشہور ڈاکٹر میل نے عہد جدید کے چند نسخے جمع کر کے مقابلہ کیا۔ تو عبارت میں تیس ہزار اختلافات نکلے۔ جان جیس وٹیسطین نے مختلف ممالک میں پھر کر بہت بڑی تعداد میں نسخوں کا مقابلہ کیا۔ تو دس لاکھ اختلافات پائے ان میں سے بکثرت اختلافات تو ایسے ہیں جنہیں قرأت اور کتابت کا اختلاف کہہ سکتے ہیں لیکن ایسے اختلافات بھی کچھ کم نہیں ہیں جن میں معنی میں بڑا فرق واقع ہو جاتا ہے۔ ان اختلافات کا ہونا لازمی تھا۔ بقول ہارن صاحب کے وجوہ اختلافات حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ ان نسخوں میں غلطیوں کا ہونا جن سے نقلیں کی جاتی تھیں۔

۲۔ ناقلوں کی غفلت، غلطیاں اور جہالت ناسمجھی کی بنا پر کبھی اصلی نسخے کے علامات واشارات نہ سمجھنا، کبھی متن اور حاشیہ پر کی شرح میں امتیاز نہ کرنا، اور انہیں غلط ملط کر دینا۔

۳۔ کبھی بظاہر اختلافی عبارت کو تطبیق دینے کی غرض سے کبھی کسی اعتراض کے رفع کرنے کی نیت سے کبھی اپنے نزدیک اصلاح کی ضرورت سمجھ کر کبھی عبادت میں حسن مزید پیدا کرنے کی کوشش میں اپنی طرف سے نقلوں میں تصرف کرنا اور عبادت کو تبدیل کر دینا۔

۴۔ کبھی اپنے مذہبی فرقے کی تائید میں جھوٹ سے مدد لینے کو ثواب سمجھ کر عبارات کو تبدیل کر دینا اور اپنے مطلب کا بنا لینا۔

ترجموں کی کیفیت | ترجموں کی صحت و عدم صحت پر جداگانہ عنوان کے تحت میں بحث کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ جتنی خرابیاں بیان کی گئی ہیں وہ سب ترجموں ہی سے متعلق ہیں اصلی زبان میں تو بائبل کا اب وجود ہی نہیں رہا۔ یہ جو کچھ نظر آ رہا ہے۔ اصل کے نہ ہونے اور ترجموں پر دین کا دارومدار ہو جانے ہی کا نتیجہ ہے۔ تاہم اگر ترجمہ در ترجمہ کی غلطیوں کی بھی فہرست پیش کرنے کا قصد کیا جائے تو اس کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہوگی۔

مصنفین قدیم کی شہادت | علمائے عیسوی کا دعویٰ ہے کہ مصنفین قدیم مثلاً کلیمنس وغیرہ اپنی

تصانیف میں اناجیل کے بعض فقرات درج کرتے ہیں جس سے اناجیل مروجہ کی صداقت کا اظہار ہوتا ہے ہم سردست کلمینس کی صرف ایک مثال کو لے کر دیکھتے ہیں کہ عیسائیوں کا یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہے کیونکہ اس ایک مثال سے بقیہ مثالوں پر بھی روشنی پڑے گی۔ بوجہ اس کے کہ وہ ساری مثالیں تقریباً یکساں ہیں۔

کلمینس کو روم کا اسقف بیان کرتے ہیں۔ اس نے ایک خط قرنتیون کے نام لکھا تھا جس میں ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ "جو عیسیٰ کو پیار کرتا ہے۔ اس کو چاہیے کہ اس کے حکم پر عمل کرے"۔ مسٹر جونس کہتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ کلمینس نے یوحنا باب ۱۴ آیہ ۱۵ کے حوالہ سے یہ فقرہ لکھا ہے اوّل تو یہاں مطابقت پوری نہیں دوسرے حوالہ کا کوئی قرینہ نہیں اگر قدرے مطابقت معنی کو تسلیم بھی کر لیا جائے۔ تو سب سے پہلے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا واقعی کلمینس نے قرنتیون کے نام کوئی خط بھیجا بھی تھا یا یہ سب فرضی واقعہ ہے اگر بھیجا تھا۔ تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ خط اپنی اصلی صورت میں آج بھی موجود ہے اور یہ فقرہ اس میں بعد کا الحاق نہیں جب اناجیل تک میں الحاق ہو گیا تو ایک معمولی اسقف کے خط میں الحاق ہو جانا کونسی بڑی بات ہے بعد اس کے یہ دیکھنا چاہیے کہ خط کی تاریخ کیا ہے اس کی تاریخ کے متعلق اختلاف ہے سنہ ۶۴ء بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اور سنہ ۷۰ء اور سنہ ۹۱ء بھی اور سنہ ۹۵ء بھی۔ بہرحال کلمینس کے خط کے سال تحریر نے سنہ ۹۵ء سے تجاوز نہیں کیا۔ اور غیرڈرن صاحب کی رو سے مسٹر جونس ہی کا یہ قول ہے کہ یوحنا نے اپنی انجیل سنہ ۹۸ء میں لکھی تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کلمینس کے خط لکھتے وقت یوحنا کی انجیل کا وجود ہی کہاں تھا کہ اس کے حوالہ سے کوئی عبارت اس خط میں لکھی جاتی چنانچہ اسی بناء پر بشپ پترس صاف اقرار کرتے ہیں کہ کلمینس نے یہ فقرہ انجیل سے نہیں لکھا اگر تحریر خط کے زمانہ میں اس انجیل کا وجود ہوتا بھی تب بھی اس نوع کی مطابقت سے یہ لازم نہ آتا کہ وہ فقرہ انجیل سے لیا گیا ہے صاحب اکسوہیو لکھتے ہیں کہ وہ عمدہ اخلاق مندرجہ عہد جدید جن پر عیسائی بڑا فخر کرتے ہیں لفظاً لفظاً کنیوشس کی کتاب اخلاق ہے جو قریب چھ سو برس قبل مسیح تصنیف ہوئی منقول ہیں مثلاً اخلاق ۲۴ کے ذیل میں یوں مرقوم ہے کہ "دوسرے سے وہ کرو جو تم چاہتے ہو کہ وہ تم

سے کرے اور نہ کرو وہ جو تم نہیں چاہتے کہ وہ تم سے کرے۔ اور تم کو صرف اسی خُلق کی حاجت ہے اور یہ سب خُلقوں کی اصل ہے"۔ اب یہی مضمون متی باب ۲۲ آیہ ۳۹ و ۴۰ میں بھی درج ہے جو عیسائیوں میں نہایت عالی اور گولڈن رول اور اصولِ زریں سمجھا جاتا ہے اگر کوئی کہے کہ انجیل کا یہ مضمون کنفیوشس سے ماخوذ ہے تو عیسائیوں کے پاس اس کا کیا جواب ہے ؟ انجیلوں میں اور بھی بہت سے مضامین ہیں جن کے مقابلہ میں ہم مثنی مضامین اُن کتابوں سے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ جو ولادتِ مسیح کے قبل سے اپنا وجود رکھتی ہیں۔ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ انجیلوں کے یہ سارے مضامین ان کتابوں سے ماخوذ ہیں تو عیسائی حضرات کو بڑی مشکل کا سامنا پیش آئے گا۔ کیونکہ وہ خود اسی نوع کے دلائل پیش کرنے کے عادی ہو رہے ہیں توارد یا مطابقت مضامین سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ ایک مصنف دوسرے مصنف کے ان تحریر کردہ مضامین سے آگاہ تک ہو۔

اس بارہ میں عیسائی علماء کے جملہ استدلالات اسی نوع کے ہیں۔ چنانچہ ان سب کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے +

انگریزی اناجیل پر ایک نظر

انجیلوں کی قلت اور کمیابی کا زمانہ جاتا رہا۔ یہ کتابیں اب بہت کثرت سے شائع ہونے لگی ہیں، اور دنیا کی تقریباً ہر زبان میں ان کے ترجمے ہو چکے ہیں لیکن آج کل انگریزی زبان نے دنیا میں جو پھیلاؤ اختیار کر رکھا ہے اس کی بنا پر بائیبل پر تبصرہ پورا نہ ہوگا اگر اس کے انگریزی ترجمہ کی تاریخ پر بھی نظر نہ ڈالی جائے۔ اس کا کچھ تھوڑا سا ذکر توریت کے تحت ہم بھی آچکا ہے۔

انگلستان میں انگریزی ترجمہ کے لحاظ سے بھی انجیل پر دو دور گذر چکے ہیں ایک قبل ایجاد طباعت قلمی نسخوں کا دور۔ دوسرا بعد ایجاد طباعت مطبوعہ بائیبلوں کا دور۔

دور اول میں ساتویں صدی عیسوی تک انجیل کے بعض حصوں کے ترجمے نظم میں کئے جاتے تھے آٹھویں صدی میں نثر میں ترجموں کی ابتدا ہوئی مگر یہ ترجمے بھی بائیبل کے متفرق اجزاء کے ہوتے تھے چودھویں صدی کے وسط تک پوری بائیبل کا کوئی مکمل ترجمہ انگلستان میں نہیں ہوا۔ سب سے پہلا مکمل ترجمہ بائیبل کا انگلستان میں انگریزی زبان میں وکلف (wycliffe) نے تقریباً ۱۳۸۲ء میں انجام کو پہنچایا اس کے ساتھ اس کام میں قابل لوگوں کی ایک جماعت بھی شریک تھی جن میں سے ایک شخص کا نام نکولازر (Nicholas) تھا۔ وکلف ان لوگوں میں سے تھا جو اس امر پر زور دیا کرتے تھے کہ پادریوں نے جو اہمیت حاصل کر رکھی ہے اور لوگوں کے دین و ایمان کے مالک بن بیٹھے ہیں اس کا انہیں کوئی حق حاصل نہیں انجیل خدا کا کلام ہے اور ہر شخص کی ہدایت کے لئے کافی ہے ہر شخص خدا کے احکام براہ راست انجیل سے معلوم کر سکتا ہے ظاہر ہے کہ ایسا شخص پادریوں کی نگاہ میں مقبول نہیں ہو سکتا چنانچہ اس ترجمہ پر پادریوں نے شور مچایا کہ ترجمہ غلط اور گمراہ کن ہے وکلف نے اس شور و واویلا کی پرواہ نہ کی اور اس نے اور اس کی جماعت کے لوگوں نے

مردانہ وار اس مخالفت کا مقابلہ کیا۔ ۱۳۹۵ء اور ۱۳۹۷ء کے درمیان جماعت وکلف نے پہلے ترجمہ نظر ثانی کی اور اس پر ایک مقدمہ کا بھی اضافہ کیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ دوسرا ترجمہ بھی جان پروی (JOhN PURVey) کی نظر ثانی کا نتیجہ ہے اور مقدمہ بھی اسی کا لکھا ہوا ہے اور یہ سب کچھ اس نے وکلف کے انتقال (۱۳۸۴ء) کے بعد کیا۔ پہلا ترجمہ بیشتر لفظی تھا اور دوسرا ترجمہ بامحاورہ۔ یہ چودھویں صدی کا کارنامہ تھا۔ پندرہویں صدی میں بائبل کی کوئی خدمت نہ ہوئی۔ بلکہ حکومت کی جانب سے کتب مقدسہ کی اشاعت اور ترجمہ کرنے والی جماعتوں پر سختیاں توڑی گئیں اور پادریوں کی جہل پرور نصرانیت کا غلبہ رہا۔ چودھویں صدی میں انگلستان میں ریفارمرز یعنی مجددین مذہب کی ایک جماعت لالرڈس (LOllARdS) کے نام سے پیدا ہو گئی تھی اور وکلف جان پروی اور سر جان اولڈ کیسل وغیرہم اسی جماعت کے پیشوا اور رہبر تھے پندرہویں صدی میں اس جماعت کو ایسا نیست و نابود کر دیا گیا۔ کہ آج ان کا کوئی نشان تک باقی نہیں اس جماعت کے زبردست اور معزز سرپرست اور سرکردہ سر جان اولڈ کیسل (SIR JOhN OLdCASTLE) کو اس سرپرستی کی جرم میں مرتد قرار دیکر زندہ جلا دیا گیا۔

ایجاد طباعت کے بعد دوسرا دور شروع ہوتا ہے مگر اس دور کے شروع ہونے کے بعد بھی انگلستان بہت عرصہ تک سوتا رہا۔ فن طباعت کی ایجاد ۱۴۴۰ء میں فروغ میں آئی۔ ۱۴۶۶ء تک جرمنی میں بائبل کے ترجمہ کی طباعت و اشاعت ہو چکی تھی اور لوتھر کی اصلاحی جد و جہد کے آغاز سے قبل یعنی تقریباً ۱۵۲۱ء سے پیشتر وہاں وہ کتاب سترہ (۱۷) مرتبہ درچھپ چکی تھی ہینری ہشتم کے تخت انگلستان پر آنے سے قبل یعنی ۱۵۰۹ء سے بہت پیشتر فرانس اسپین اٹلی بوہیمیا اور ہالینڈ میں بائبل کے ملکی زبانوں میں ترجمے طباعت کے ذریعے شائع ہو چکے تھے۔ مگر انگلستان میں ۱۵۳۸ء سے قبل طباعت انجیل کا اہتمام ناممکن رہا۔ اس سے قبل انگلستان کے ایک فاضل ولیم ٹینڈیل (WIlliAM TYNdALe) نے اپنے ہم وطنوں کو مضامین بائبل سے آگاہ کرنے کے شوق میں انجیل کا انگریزی میں ترجمہ کرنا چاہا اور کئی برس تک اسی جد و جہد میں رہا۔

اس کام کے لئے انگلستان کی زمین کو اس نے اپنے لئے تنگ پایا اور وہ اپنی جان بچاکر ملک غیر میں بھاگ گیا۔ اور ۱۵۲۲ء میں پہلے ہیمبرگ میں پھر وٹن برگ میں پناہ گزین ہوا اور اپنے ترجمہ کے کام میں مصروف رہا۔ ۱۵۲۵ء میں مقام کلون میں اس نے عہد جدید کا ترجمہ چھپوانا شروع کیا۔ مگر ریفارمیشن کے دشمن جان کاکلیس نے طباعت انجیل کے کام کو موقوف کرا دیا اور انگلستان کے بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ یہ زہریلے اوراق اس ملک میں داخل نہ ہونے پائیں۔ ٹنڈیل یہاں سے بھی بھاگ کر مقام ورمس میں پہنچا۔ جہاں اس نے اپنے کام کو جاری رکھ کر کسی طرح انجام پر پہنچایا اور ۱۵۲۵ء کے اختتام سے قبل اپنے مطبوعہ ترجمہ کو انگلستان میں داخل کر دیا۔ انگلستان میں یہ نسخے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہونا شروع ہو گئے۔ اس کا حکومت کی جانب سے یہ انعام ملا کہ جتنے نسخے مل سکے وہ سب کے سب برسر بازار جلا دئے گئے۔ مگر ٹنڈیل مردانہ وار اپنے کام میں لگا رہا۔ اس نے اپنے ترجمے کے متعدد ایڈیشن ہر مرتبہ نظر ثانی کے بعد نکالے اور سب سے آخری ایڈیشن اینٹورپ سے ۱۵۳۵ء میں نکالا جس کا ایک نسخہ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں اور ایک نسخہ آکسفورڈ ایگزیٹر کالج میں آج بھی موجود ہے مگر اس کارنامے کے بعد ٹنڈیل گرفتار کر لیا گیا قید میں رکھا گیا، اور بالآخر ۶ اکتوبر ۱۵۳۶ء کو گلا گھونٹ کو مار ڈالا گیا اور اس کی نعش کو جلا دیا گیا۔
تماشہ کی بات تو یہ ہے کہ ۱۵۳۵ء میں انگلستان میں جو پوری بائبل پہلی مرتبہ طبع ہوئی وہ ٹنڈیل ہی کی ترجمہ کی ہوئی بائبل کی طبع جدید تھی ڈاکٹر ویسٹکوٹ اپنی کتاب تاریخ انگریزی بائبل کے صفحہ ۲۱۶ پر لکھتے ہیں کہ

"انگریزی بائبل کی تاریخ کی ابتدا ٹنڈیل کے کارناموں سے ہوتی ہے۔ نہ کہ وکلف کے کارناموں سے"

تقریباً اسی زمانہ میں مائیلس کوورڈیل (Miles coverdale) نے بھی ایک ترجمہ چھپوایا۔ اور یہ ترجمہ بھی انگلستان سے باہر چھپا۔ یہ شخص ٹنڈیل ہی کی جماعت کے لوگوں میں سے تھا۔ اس نے اپنے ترجمہ میں لوتھر کی تفسیر سے بہت مدد لی۔

ٹنڈیل اور کووَرڈیل کے نسخوں کی مقبولیت دیکھ کر انگلستان کے کتب فروشوں کے منہ میں بھی پانی آگیا۔ اور اُنہوں نے خیال کیا کہ انجیل کے ترجموں کی طباعت واشاعت دولتمند بننے کا نہایت اچھا ذریعہ ثابت ہوگی۔ چنانچہ چاروں طرف سے ترجموں کا شور مچنا شروع ہوگیا۔

جان راجرس (JOHN ROGERS) نے ٹامس میتھیو (THOMAS MATTHEW) کے نام سے بلحاظ طباعت ایک نہایت نفیس ترجمہ شائع کیا جو میتھیوز بائیبل (MATTHEW BIBLE) کے نام سے موسوم ہے مگر اس بیچارہ کا حشر بھی یہ ہوا کہ اُسے گرفتار کرکے زندہ جلا دیا گیا۔

اس کے بعد رچرڈ ٹریورنز (RICHARD TRAVERNER) نے اِدھر اُدھر کے ترجموں سے چوری کرکے ایک ترجمہ نکالا مگر یہ کچھ مقبول نہ ہوا۔

اب تک جتنے ترجمے شائع ہوئے تھے وہ افراد کی جانب سے تھے اور نجی طور پر شائع ہوئے تھے۔ حکومت کو ان میں کوئی دخل تھا نہ پادریوں کو اُن سے کوئی سروکار۔ ۱۵۳۹ء میں پادریوں اور بشپوں نے بڑے پیمانوں پر اور بڑے اہتمام کے ساتھ اپنی جانب سے ایک مستند ترجمے کے طبع کرانے کا انتظام کیا۔ اور اُس کا نام دی گریٹ بائیبل (THE GREAT BIBLE) رکھا۔ پادریوں کے اس گروہ کے سرغنہ ٹامس کرینمر (THOMAS CRANMER) آرچ بشپ آف کینٹربری یعنی انگلستان کے لاٹ پادری تھے۔ مترجموں کی ایک جماعت مرتب کی گئی جس کے سرغنا کووَرڈیل بنائے گئے اور ترجمہ کی بنیاد میتھیوز بائیبل کو قرار دیا گیا۔ ترجمہ کا کام پیرس میں شروع اور لندن میں ختم کیا گیا طباعت کے لحاظ سے اور نمائشی اعتبار سے یہ بائیبل اپنے زمانہ میں بےنظیر تھی۔ ۱۵۳۹ء سے ۱۵۴۱ء تک اس کتاب کے سات ایڈیشن نکل چکے تھے۔ دوسرے اڈیشن میں جو ۱۵۴۰ء میں نکلا ایک طویل دیباچہ آرچ بشپ کرینمر کے قلم کا لکھا ہوا شامل کیا گیا اور اس بنا پر اس کا نام کرینمرز بائیبل پڑگیا۔

اس وقت ایک طرف تو مذہبی بیداری کا یہ عالم تھا کہ اناجیل کے ترجموں پر ترجمے شائع ہو رہے تھے

حتیٰ کہ پادریوں کی جماعت تک نے ایک مستند ترجمہ شائع کر دیا تھا اور دوسری طرف حکومت کی طرف سے یہ برتاؤ ہو رہا تھا کہ احکام صادر ہو رہے تھے کہ ٹنڈیل کا ترجمہ کوئی نہ پڑھے کورڈیل کی بائبل کو کوئی ہاتھ نہ لگائے دوسرے ترجموں سے نوٹ اور حواشی خارج کر دیئے جائیں کوئی معمولی عورت، مزدور، قلی، کسان کاشتکار، خوشہ گر، کاریگر، مسافر، بائبل کے کسی حصہ کو نہ پڑھے نہ اُسے کسی اور کام میں لائے نہ اُس پر عمل کرے ورنہ سزائے جرمانہ یا قید کا مستوجب ہوگا۔ گریٹ بائبل کے موجد آرچ بشپ کرینمر زندہ جلا دیئے گئے۔ جان راجرس ان سے قبل ہی ختم کر دیئے گئے تھے۔ کورڈیل اور ان کے ہم مشرب ساتھی اپنی جان بچا کر بھاگ گئے۔ اور جنیوا میں پناہ گزین ہوئے اس وقت جنیوا میں کالون اور بیزا بھی مقیم تھے جو اپنے زمانہ کے مشہور مصلح عیسویت اور ریفارمر تھے۔ یہاں ان لوگوں کو مل کر اپنا کام جاری رکھنے کی خاص مہلت مل گئی چنانچہ انہوں نے بعد ترجموں پر نظر ثانی کر کے بائبل کا ایک جدید ایڈیشن نکالا۔ جنیوا میں آ کر ان لوگوں کی محنت کا پہلا ثمر یہ نکلا۔ کہ جون ۱۵۵۷ء میں عہد جدید کا ایک نیا ایڈیشن نکلا جس میں کالون کا لکھا ہوا ایک مقدمہ بھی شامل تھا۔ اور آیات و ابواب کی تقسیم بھی کی گئی تھی اناجیل میں یہ آیات و ابواب کی پہلی تقسیم تھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس تقسیم کے کرنے میں دوسری زبانوں کی اناجیل کی پیروی کی گئی ہے علاوہ اس کے اس نسخہ میں حواشی بھی تھے بعض لوگ کالون کی اس کارگذاری کو ولیم وٹنگھم (WILLIAM WHITTINGHAM) سے منسوب کرتے ہیں۔

اس کے بعد جنیوا ہی سے ۱۵۶۰ء میں بائبل کا ایک مکمل ایڈیشن نکلا جس میں عہد عتیق اور عہد جدید دونوں شامل تھے اور عہد عتیق میں بھی مثل عہد جدید مذکورۃ الصدر کے آیات و ابواب کی تقسیم کر دی گئی تھی۔ حواشی بھی درج تھے اس کی طباعت کے مصارف اہل جنیوا نے برداشت کئے تھے اس لئے اس کا نام جنیوا بائبل پڑ گیا۔ اس نسخہ کے خاص مؤلف ولیم وٹنگھم (WILLIAM WHITTINGHAM) انتھونی گلبی (ANTHONY GILB) اور ٹامس سیمپسن (THOMAS SAMPSON) تھے۔

بیان کئے جاتے ہیں۔ یہ نسخہ بہت مقبول ہوا اور گریٹ بائیبل پر بھی فوقیت لے گیا آرچ بشپ میتھو پارکر
(ARCHBISHOP MATTHEW PARKER) نے ۱۵۶۸ء میں جینوا بائیبل پر نظر ثانی کر کے
اور چند حواشی کا اضافہ کر کے ایک جدید بائیبل بنائی۔ اور اس کا نام بشپس بائیبل (BISHOP S' BIBLE) رکھا مگر مقبولیت عام میں یہ جینوا بائیبل پر سبقت نہ لے جا سکی۔

ٹنڈیل کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک جتنے ترجمے شائع ہوئے سب اصلاح پسند لوگوں نے کئے ہوئے تھے۔ اب قدامت پسند رومن کیتھولکس کو بھی میدان میں آنے کا شوق ہوا چنانچہ "غلط ترجموں کے ذریعہ لوگوں کے عقاید کی خرابی کی روک تھام" کی غرض سے انہوں نے بھی ایک ترجمہ کر ڈالا۔ جو رومن ترجمہ ولگٹ کا لاطینی آمیز انگریزی ترجمہ ہے۔

انقلاب زمانہ کی اس سے عجیب تر مثال کیا ہوگی کہ جو حکومت پارلیمنٹری احکام کی قوت سے انجیل کے ترجموں کو جلا ڈالتی تھی، ترجمہ کرنے والوں کو قتل کر دیتی تھی، اور انجیل پڑھنے والے عوام الناس کو قید کر دیتی تھی وہ اب خود بائیبل کا ترجمہ بڑے اہتمام سے کرتی ہے بادشاہ انگلستان شاہ جیمس اول جنوری ۱۶۰۳ء میں تخت انگلستان پر بیٹھتا ہے اور چند ہی ماہ بعد ہیمپٹن کورٹ کے محل میں ہر طبقہ ہر فرقہ اور ہر گروہ کے پادریوں کی کانفرنس کرتا ہے خود اس کا صدر بنتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ بائیبل کا ایک مستند ترجمہ کیا جائے بہترین اشخاص اور اعلیٰ ترین تعلیم کے لوگ بہترین انگریزی زبان میں ترجمہ کریں۔ سب پادری اور بشپ اس پر نظر ثانی کریں۔ پھر پریوی کونسل میں وہ پیش ہو۔ اس کے بعد مہر شاہی اس پر ثبت ہو اور سارا چرچ اس کا اور صرف اسی کا مطیع ہو جائے۔ گویا فرمانِ خداوندی کو ایک عاجز دنیوی بادشاہ کی منظوری کا (نعوذ باللہ) محتاج بنا دیا گیا چنانچہ حکم کی تعمیل ہوتی ہے ۱۶۰۷ء میں کام شروع ہوتا ہے اور ۱۶۱۱ء میں کتاب چھپ کر تیار ہو جاتی ہے دی آتھرائزڈ ورشن (THE AUTHORIZED VERSION) یعنی مستند ترجمہ اور کنگ جیمس بائیبل (KING JAME'S BIBLE) یعنی خدا کی نہیں بلکہ شاہ جیمس کی بائیبل اس کا نام رکھا جاتا ہے

مگر حقیقت یہ ہے کہ ۱۵۶۸ء کی بشپس بائبل (BISHOPS BIBLE) پر نظر ثانی کے سوا اس میں اور کچھ نہیں۔ اس مستند ترجمہ پر عیسائی علماء ہی کی جانب سے جس کثرت اور جس شدت سے اعتراضات ہوتے رہے ہیں ان کی جانب اشارہ ہم اپنے مضمون نمبر ۲ میں کر چکے ہیں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (طبع جدید ۱۹۲۶ء جلد ۳) میں زیر عنوان "بائیبل" صفحہ ۵۴۲ پر صاف اعتراف کیا گیا ہے کہ:۔ باوجود اس کے رنگینی باوجود اس خوبی کے جس سے کہ یہ ترجمہ کیا گیا ہے، ترجمہ کی اصلاح اور بہتری کا کام صدیوں سے اب بھی جاری ہے چنانچہ اس مستند ترجمہ کی جدید اشاعت کا مقابلہ ۱۶۱۱ء کی اصلی اشاعت سے کیا جائے تو بہت بڑا فرق نظر آئیگا" اصلاح و بہتری کی یہ کوششیں تو صدیوں تک جاری رہیں گی مگر ان سے کوئی مفید نتیجہ مرتب نہ ہوگا اس مستند ایڈیشن کے بعد اس کام میں بعض امریکہ والوں کی بھی شرکت ہو گئی۔ اور ۱۸۸۱ء میں عہد جدید اور ۱۸۸۴ء میں عہد عتیق کا نظر ثانی کیا ہوا نسخہ ریوائزڈ ورشن (THE REVISED VERSION) کے نام سے چھپ کر نکل چکا ہے مگر خود عیسائی علماء کی بھی تسکین اس سے نہ ہوئی اور وہ اب تک تحقیق و تنقید و تفتیش کی ضرورت کو محسوس کئے جا رہے ہیں منصف مزاج محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ ۳۸۰ء سے بائیبل کے اصل عبرانی متون سے کوئی ترجمہ نہیں ہوا، چوتھی صدی میں سینٹ جروم نے یونانی ترجمہ سے اپنا لاطینی ترجمہ کیا اور اس لاطینی ترجمہ سے رومی ولگٹ مرتب ہوا اور رومی ولگٹ سے یورپ کی تمام بقیہ زبانوں میں ترجمہ ہوا جس میں انگریزی زبان بھی شامل ہے اور اس بات کا سب کو اعتراف ہے کہ بائیبل کا اصلی اور سچا نسخہ اب دنیا سے مفقود ہے پس قصہ ختم شد۔ ظنیات کی بنا پر صحت کے متعلق اطمینان محال ہے۔

خصوصیات تعلیمی

اب تک کتاب عہد جدید کے بحیثیت مجموعی معتبر یا غیر معتبر ہونے سے بحث تھی اب ان کتب مروجہ کی تعلیمی خصوصیات سے بحث کی جاتی ہے ضمناً اس امر پر بھی روشنی ڈالی جائے گی کہ بعض تعلیمات حقیقتاً ہیں کیا اور انہیں عام طور پر سمجھا کیا گیا ہے۔

اناجیل مروجہ سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کوئی جدید شریعت لیکر نہیں آئے۔ بلکہ

موسیٰ علیہ السلام ہی کی شریعت کو قائم رکھنے اور اُسے یہودیوں کی پیدا کردہ خرابیوں سے پاک صاف کرنے آئے تھے۔ گویا عیسویت موسویت ہی کا تتمہ ہے متی باب ۵ آیت ۱۷ تا ۲۰ میں خود عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول منقول ہے:

"یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں۔ توریت کا ایک نقطہ یا ایک شوشہ پورا ہوئے بغیر نہ ٹلے گا۔ پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی حکم کو توڑے گا۔ اور دوسروں کو توڑنے کی ہدایت کرے گا۔ وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔ لیکن جو ان پر عمل کرے گا۔ اور ان کی دوسروں کو تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے بڑا کہلائے گا۔ پس میں تم سے کہے دیتا ہوں کہ اگر تمہاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں کی راستبازی سے زیادہ نہ ہوگی تو تم آسمان کی بادشاہت میں داخل نہ ہوسکو گے"

متی باب ۲۳ آیہ ۱ تا ۳ میں منقول ہے کہ:-

"تب یسوع لوگوں اور اپنے شاگردوں سے کہنے لگا کہ فقیہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں اس لئے وہ جو کچھ تمہیں ماننے کو کہیں مانو اور عمل میں لاؤ لیکن اُن کے سے کام نہ کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں مگر کرتے نہیں"

جب یہ ثابت ہو گیا کہ عیسویت موسویت کی ناسخ نہیں اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے ہر حکم کی تعمیل عیسائیوں پر فرض ہے اور عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے متبعین کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ اس شریعت کے جس حکم کو چاہیں مانیں اور جسے نہ چاہیں نہ مانیں تو عیسوی تعلیمات کی خصوصیات دریافت کرنے کے لئے ضروری ہو گیا کہ توریت اور انجیل دونوں پر یکساں طور پر نظر ڈالی جائے تاجیل میں توریت کی طرح احکام شریعت

کا نہ ہونا اس امر کی دلیل نہیں کہ عیسائی قیود شریعت سے آزاد ہیں دیگر صحف انبیا بنی اسرائیل بھی قدرتی احکام شریعت سے خالی ہیں مگر داؤد اور یرمیاہ اور یسعیاہ اور عزرا اور دانیال اور حزقیل اور یشوع اور سموائیل نے اپنے آپ کو احکام توریت کی تعمیل سے مستثنیٰ نہ رکھا بلکہ خود عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ان احکام کی حفاظت کی اور اپنی امت کو ان کی تعمیل کا حکم فرمایا اور بار بار حکم فرمایا۔ ان حالات میں عیسائیوں کا صرف مسیح پر ایمان لے آنا اور عملی اعتبار سے اپنے آپ کو شریعت کی پابندی سے آزاد رکھنا عیسوی نقطہ نظر سے بھی قابل اعتراض ہے۔

ایمان و عمل اناجیل کی رو سے ایمان بلا عمل نجات کے لئے ہرگز کافی نہیں گلیتون کے باب ۴ آیہ ۴ میں ہے کہ :-

" جب وقت پورا ہوا تب خدا نے اپنے بیٹے کو بھیجا جو عورت سے پیدا ہو کے شریعت کے تابع ہوا "

۱۔ تمطاؤس باب ۵ آیہ ۷ میں ہے کہ:-

" اگر کوئی اپنوں کی اور خاص کر اپنے ہی گھر کی خبر گیری نہ کرے تو ایمان سے منکر اور بے ایمان سے بدتر ہے "

گھر کی خبر گیری عمل ہے اور اس عمل سے غافل رہنا ایمان تک کی بربادی کا باعث تبلایا گیا ہے عمل کی ضرورت اس سے ظاہر ہے۔

۲۔ تمطاؤس باب ۲ آیہ ۱۹ میں ہے کہ :" جو مسیح کا نام لیتا ہے بدی سے باز رہے" لوقا باب ۱۹ آیہ ۷، ۸ میں یہ واقعہ درج ہے۔ کہ محصول لینے والوں کے سردار اور متمول شخص زکی نے جب کھڑے ہو کر مسیح سے کہا کہ " میں اپنا آدھا مال غریبوں کو دیتا ہوں اور اگر کسی کا کچھ دغا بازی سے لیا ہے تو اس کا چوگنا دیتا ہوں" تو یسوع نے اس کے حق میں کہا کہ :" آج اس گھر میں نجات آئی ہے " یہاں بھی نجات کا انحصار عمل پر ہوا

متی باب ۷ آیہ ۲۱ تا ۲۴ میں ہے کہ :-

"ہر ایک جو مجھے خداوند خدا کہتا ہے آسمان کی بادشاہت میں شامل ہوگا مگر وہی جو میرے باپ کی جو آسمان پر ہے مرضی پر چلتا ہے اُس دن بہتیرے مجھے کہیں گے اے خداوند اے خداوند کیا ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں کی اور تیرے نام سے دیوں کو نہیں نکالا اور تیرے نام سے بہت سی کرامات ظاہر نہیں کیں - اس وقت میں ان سے صاف کہوں گا کہ میں کبھی تم سے واقف نہ تھا اے بدکارو میرے پاس سے دور ہو پس جو کوئی میری یہ باتیں سنتا اور اُنہیں عمل میں لاتا ہے میں اسے اس عقلمند آدمی کی مانند ٹھہراتا ہوں جس نے چٹان پر اپنا گھر بنایا"

متی باب ۱۶ آیہ ۲۷ میں قیامت کے متعلق مندرجہ ذیل الفاظ درج ہیں :-

ابن آدم اپنے باپ کے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آوے گا تب ہر ایک کو اُس کے اعمال کے موافق بدلا دیگا"

عہد عتیق اور عہد جدید کی متعدد کتابوں میں بکثرت اور بصراحت آیا ہے کہ قیامت کو ن اعمال نیک اور اعمال بد پر جزا و سزا مترتب ہوگی - لوقا کے باب ۱۰ میں ایک واقعہ درج ہے کہ کسی شریعت سکھانے والے نے عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ میں کیا کروں جو نجات پاؤں آپ نے فرمایا کہ شریعت کے احکام بجالا - نجات اسی سے ہوگی - یوحنا باب ۱۴ آیہ ۱۵ میں ہے کہ :-

" اگر تم مجھے پیار کرتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو" طیطس باب ۱ آیہ ۱۶ میں ہے کہ :-

" خدا کے پہچاننے کا اقرار تو کرتے ہیں پر کاموں کی راہ سے اس کا انکار کرتے ہیں وے نفرت کے لائق اور نافرمانبردار ہیں - اور ہر ایک نیک کام کے لئے نامعقول" مکاشفات باب ۲۲ آیہ ۱۴ میں ہے کہ :-

"مبارک وے ہیں جو اُس کے حکموں پر عمل کرتے ہیں تاکہ زندگی کے درخت پر ان کا اختیار ہو اور وے اُن

دروازوں سے شہر میں داخل ہوں مگر کتے اور جادوگر اور حرامکار اور خونی اور بت پرست اور جو کوئی جھوٹ کو چاہتا اور بولتا ہے سب باہر ہیں ۔" یعقوب باب ۲ آیات ۱۴ تا ۲۶ بھی ملاحظہ ہوں :۔

اے میرے بھائیو اگر کوئی کہے کہ میں ایماندار ہوں اور عمل نہ کرتا ہو تو کیا فائدہ کیا ایسا ایمان اسے بچا سکتا ہے ۔ اگر کوئی بھائی یا بہن ننگا ہووے اور روزینہ کی روٹی میسر نہ ہو اور تم میں سے کوئی انہیں کہے کہ سلامت جاؤ گرم اور سیر ہو پر تم انہیں وے چیزیں نہ دو جو بدن کو ضرور ہیں تو کیا فائدہ ۔ اسی طرح ایمان بھی اگر عمل کے ساتھ نہ ہو تو وہ اکیلا ہو کر مردہ ہے لیکن شاید کوئی کہے کہ ایمان تجھ میں ہے اور میرے پاس اعمال ۔ بھلا تو اپنا ایمان بغیر اپنے اعمال کے مجھ پر ظاہر کر ۔ اور میں اپنے ایمان کو اپنے اعمال سے تجھ پر ظاہر کروں گا ۔ تو ایمان لاتا ہے کہ خدا ایک ہے اچھا کرتا ہے شیاطین بھی یہ مانتے ہیں اور تھرتھراتے ہیں پر اے واہی آدمی کیا تو معلوم ہو گا کہ ایمان بے اعمال کے مردہ ہے کیا ہمارا باپ ابرہام اعمال سے راست باز نہیں ٹھہرایا گیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پس تم دیکھتے ہو کہ آدمی اعمال سے راست باز ٹھہرایا جاتا ہے اور صرف ایمان سے نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پس جیسا بدن بے روح مردہ ہے ویسا ہی ایمان بے اعمال مردہ ہے"

انجیل میں جہاں اقتباسات مندرجہ بالا کی رو سے ایمان کے ساتھ عمل کی ضرورت پر اس شدومد کے ساتھ زور دیا گیا ہے وہاں تماشہ کی بات یہ ہے کہ بعض "کتب مقدسہ" میں مثلاً پولوس کے رومیوں کے نام خط کے ابواب ۳ و ۴ و ۶ میں اور انہیں پولوس کے گلیتون کے نام خط کے باب ۵ میں یہ بھی لکھا ہے کہ صرف مسیح پر ایمان لانا نجات کے لئے کافی ہے اور اعمال خیر پر اعتماد محض بیوقوفی ہے اور شریعت پر چلنے والے لوگ مسیح سے جدا ہو جاتے ہیں اور سرے سے عیسائی ہی نہیں رہتے اور خدا کی رحمت سے مایوس ہیں چنانچہ زمانہ مابعد کے مدعیان عیسویت کا مسلک بیشتر یہی پایا جاتا ہے ۔ جن کتابوں میں تحریفات و الحاقات و اختلافات کا

ہونا مسلم ہو اُن میں اس قسم کے متضاد و متناقض مضامین کا پایا جانا کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔

ایمان و عمل کے مسئلہ میں اس اختلاف کی ابتداء پولوس کے زمانہ میں واقع ہوئی اور پولوسی جماعت ہی شریعت موسوی کی اس بے احترامی کی ذمہ دار ہے ابتداء میں حواریوں نے تبلیغ مذہب کا دائرہ صرف یہودیوں ہی تک محدود رکھا تھا۔ پولوس اس زمانہ میں عیسویت کا سخت دشمن تھا اس نے حواریوں اور ان کے متبعین کو بڑی بڑی ایذائیں پہنچائیں جب وہ تائب ہو کر اپنی ان حرکتوں سے باز آیا اور دین عیسوی میں داخل ہوا تو برنباس کی ہمراہی میں اس نے بھی تبلیغی امور میں حصہ لینا شروع کیا اور اپنی تبلیغی کوششوں کو اقوام غیر یہود تک (جنہیں اس زمانہ میں "جنٹائلز" کہتے تھے) پہنچایا۔ ان کوششوں کی کامیابی میں آسانیاں پیدا کرنے کے لئے اس نے جو تدبیریں سوچیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ غیر یہود اقوام کے لوگوں میں سے جدید ایمان لانے والوں کو احکام توریت کی پابندی سے آزاد کر دیا جائے چنانچہ بیت المقدس کی مذہبی جماعت کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ اس کا جو نتیجہ ہوا وہ عہد جدید کی کتاب اعمال باب ۱۵ (از آیہ ۲۲ تا ۲۹) میں ان الفاظ میں درج ہے۔

تب رسولوں اور بزرگوں نے سارے کلیسیہ سمیت بہتر جانا کہ اپنے میں سے کئی شخص چن کے پولوس اور برنباس کے ساتھ انطاکیہ میں بھیجیں۔ یعنی یہوداہ کو جس کا لقب برسباس ہے، اور سیلاس کو جو بھائیوں میں مقدم تھے۔ اور ان کے ہاتھ یہ لکھ بھیجا کہ اُن بھائیوں کو جو غیر قوموں میں سے ہیں اور انطاکیہ اور شام اور سلیشیہ میں رہتے ہیں رسولوں اور بزرگوں اور بھائیوں کا سلام۔ از بسکہ ہم نے سُنا ہے کہ ہم میں سے بعضوں نے جن کو ہم نے حکم نہیں کیا جا کر تمہیں اپنی باتوں سے گھبرا دیا ہے اور تمہارے دلوں کو یہ کہہ کے پریشان کر دیا ہے کہ ختنہ کرو اور شریعت پر چلو، سو ہم نے باہم متفق ہو کر یہ بہتر جانا کہ اپنے عزیزوں برنباس اور پولوس کے ہمراہ جو کہ ایسے لوگ ہیں

جنہوں نے اپنی جان ہمارے خداوند یسوع مسیح کے نام پر خطرہ میں ڈالی۔ بعض منتخب اشخاص کو تمہارے پاس بھیجیں چنانچہ ہم نے یہوداہ اور سیلاس کو بھیجا جو تم سے زبانی بھی یہ باتیں بیان کریں گے۔ کیونکہ روح القدس نے اور ہم نے بہتر جانا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر اور کوئی بات کا بوجھ نہ ڈالیں کہ تم بتوں کے چڑھاووں اور لہو اور گلا گھونٹی ہوئی چیزوں اور حرام کاری سے پرہیز کرو۔ اگر تم ان چیزوں سے اپنے کو بچائے رہو گے تو خوب کرو گے۔ سلامت رہو۔ تب وے رخصت ہو کر انطاکیہ میں آئے اور جماعت کو اکٹھا کر کے وہ خط اُنہوں نے دیا اور جماعت کے لوگ اُس خط کو پڑھ کر اس تسلی کی بات سے خوش ہوئے۔"

یہ پہلا پولوسی گولہ تھا جو عیسائیوں کی پابندی شریعت پر پڑا۔ آگے چل کر یہودی اور غیر یہودی عیسائیوں کا امتیاز بھی اُٹھ گیا اور اس رخصت نے اباحت کی صورت اختیار کر لی۔ پھر اباحت نے استحباب کی صورت اختیار کی اور رفتہ رفتہ یہ حالت ہوگئی کہ شریعت کی پابندی بدعت اور بعض صورتوں میں کفر قرار دی گئی۔ شریعت موسوی سے نفرت اور بیزاری کا اظہار ہونے لگا اور اس اظہار نفرت میں توریت و شریعت ہم معنی الفاظ سمجھے جانے لگے۔ یہی پولوس ہی جو رومیوں کے خط باب ۴ آیہ ۱۵ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"شریعت قہر کا سبب ہے۔"

اور قرنتیوں کے دوسرے خط کے باب ۳ آیہ ۱۳ و ۱۴ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"ہم موسیٰ کی طرح عمل نہیں کرتے جس نے اپنے چہرہ پر پردہ ڈالا تاکہ بنی اسرائیل اس اٹھ جانے والی کی غایت تک بخوبی نہ دیکھیں۔"

اور عبرانیوں کے خط باب ۷ آیہ ۱۸ و ۱۹ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"اگلا قانون (یعنی توریت کے دس حکم) اس لئے کہ کمزور اور بیفائدہ تھا اُٹھ گیا۔

کیونکہ شریعت نے کچھ کامل نہ کیا "

اور گلیتیون کے خط باب ۵ آیہ ۴ میں لکھتے ہیں کہ :-

" تم جو شریعت کی رو سے راست باز بنا چاہتے ہو تو مسیح سے جُدا ہوئے اور فضل کی نظر سے گر گئے "

اور قلسیون کے خط باب ۲ آیہ ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ میں لکھتے ہیں کہ :-

" اُس نے (یعنے مسیح نے) تمہارے سب گناہ بخشدے اور حکموں کی دستاویز جو ہمارے مخالف تھی ۔ (یعنی توریت کے احکام خداوندی جو پولوس کے مخالف تھے ہماری بابت مٹا ڈالی (یعنی پولوسیون کے لئے وہ احکام منسوخ کر دیئے) اور اس کو بیچ میں سے اٹھا کے صلیب پر کیلیں جڑ دیں ۔ (یعنی اِن احکام کو نہ صرف نیست و نابود کر دیا بلکہ ذلت کی سزا دیکر نیست و نابود کیا کہ عیسائیوں کے سامنے اب ان کا نام لینا بھی گناہ ہو گیا ۔) اور حکومتوں اور ریاستوں کا اقتدار چھین لیا ۔ اور اُنہیں برملا رسوا کر کے اُن پر شادیانے بجائے "

یہاں " حکومتوں اور ریاستوں کا اقتدار چھین لیا " سے یہ مراد ہے کہ شریعت سکھلانے والے فقیہوں اور فریسیوں کو جو اقتدار حاصل ہو گیا تھا وہ بوجہ تعطیل شریعت اُن سے جاتا رہا اور ان کی اس رسوائی اور بیقدری پر خوشی کے شادیانے بجائے گئے ۔

بلندی سے پستی کی جانب اترنا آسان ہے مگر پستی سے بلندی پر آنا ذرا مشکل ہے انسان بالطبع آزادی پسند اور آسانی پسند واقع ہوا ہے جب پولوس نے شریعت کی بندشوں کو نہایت بے باکی کے ساتھ اس قدر ڈھیلا کر دیا تو ان کے متبعین نے ان کے بعد کیا کچھ گل نہ تراشے ہوں گے ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائی مذہب کے مشہور مجدد و مصلح و ریفارمر اور فرقہ پروٹسٹنٹ کے بانی مارٹن لوتھر ۱۴۸۳ء تا ۱۵۴۶ء عیسائیوں کو کلیسہ

اور پادریوں کی غلامی سے آزادی دلانے کے جوش میں انہیں اصلی مذہب کی پابندی سے بھی آزاد کئے دیتے ہیں۔ لوتھر صاحب کی تصانیف میں اس نوع کے فقرے بکثرت پائے جاتے ہیں کہ:۔ "ہم نہ سنیں گے اور نہ دیکھیں گے موسیٰ کو اس لئے کہ وہ صرف یہودیوں کے لئے تھا اور اس کو ہم سے کسی چیز میں علاقہ نہیں" "ہم نہ قبول کریں گے موسیٰ کو اور نہ اس کی توریت کو اس لئے کہ وہ تو دشمن عیسیٰ ہے" "موسیٰ تو جلادوں کا استاد ہے" "دس حکموں کو عیسائیوں سے کچھ علاقہ نہیں" "اُن دس حکموں کو خارج کرنا چاہئے تاکہ تمام بدعت ابھی موقوف ہو جائے کیونکہ یہ احکام جملہ بدعات کے سرچشمے ہیں" "خدا گناہ کا موجب ہے" (نعوذ باللہ)۔ "انسان گناہ سے بچنے پر مختار نہیں" "دس حکموں پر عمل کرنا انسان کے لئے ناممکن ہے" "فقط ایمان رکھو اور یقین کرلو کہ روزے اور پرہیزگاری اور اعمال نیک کی مشقت کے بغیر تم بخشے جاؤ گے اور تمہاری نجات اتنی یقینی ہے جتنی کہ خود مسیح کی۔ ہاں گناہ کرو اور خوب دلیری سے گناہ کرو فقط ایمان رکھو اگرچہ ایک دن میں تم ہزار مرتبہ حرامکاری یا خون کے مرتکب ہو صرف ایمان رکھو۔ اور میں کہتا ہوں کہ تمہارا ایمان تم کو بچائیگا"

لوتھر کے شاگرد رشید یوسی بوس جو کہ فرقہ انٹی نومنس کے بانی ہیں لکھتے ہیں کہ:۔ "یہ دس حکم کلیسیہ میں نہ سکھلائے جائیں" "جو لوگ دس احکام کی تعمیل میں مصروف رہتے ہیں وہ شیطان سے علاقہ رکھتے ہیں۔ وہ سولی پائیں موسیٰ کے ساتھ" یہ دس احکام عہد عتیق کی کتاب خروج باب ۲۰ میں بالتفصیل درج ہیں اور مختصراً یہ ہیں۔

۱۔ شرک نہ کرو۔

۲۔ بت پرستی نہ کرو۔

۳۔ خدا کا نام بے فائدہ مت لو۔

۴۔ یوم السبت کو پاک رکھو اور اس دن کوئی کام نہ کرو۔

۵۔ ماں باپ کی عزت کرو۔

۶۔ خون مت کرو۔

۷۔ زنا مت کرو۔

۸۔ چوری مت کرو۔

۹۔ پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دو۔

۱۰۔ ہمسایہ کو تکلیف نہ دو۔

ان احکام عشرہ کے عدم تعمیل کے معنے یہ ہوئے کہ شرک کرو، بت پرستی کرو، خدا کا نام بے فائدہ یوم السبت کی بے احترامی کرو۔ ماں باپ کی عزت نہ کرو، خون کرو، زنا کرو، چوری کرو، پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہیاں دو، ہمسایوں کو تکلیف پہنچاؤ۔ اس دستور العمل کا نام مذہب رکھا گیا ہے اور اس پولوسی مذہب کے بانیوں نے اس دستور العمل کی صرف زبانی تعلیم ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تاریخ کا مطالعہ کیا جائے اور ان لوگوں کے سوانح کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ لوتھر اور پوسی بیوس وغیرہ نے اس کے مطابق عمل کر کے بھی دکھلا دیا۔ اس زمانہ کے جو عیسائی اُن تعلیمات پر عمل کرتے ہیں ان کو مسلمان علمائے محققین عیسائی نہیں کہتے بلکہ پولوسی کہتے ہیں اور اہل کتاب کے زمرہ سے خارج کرتے ہیں جو احکام کہ اسلام میں اہل کتاب کے متعلق اور مسلمانوں کے اہل کتاب سے برتاؤ کے متعلق آئے ہیں ان سے پولوسی گروہ کو متمتع ہونے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ بہر حال ہم کو اس سلسلہ مضامین میں پولوسی گروہ کے عقائد و اعمال سے سروکار نہیں ہم کو تو کتب سماوی کے سلسلہ میں تعلیمات انجیل پر تبصرہ کی ضرورت ہے ان تعلیمات کو موجودہ عیسائی مسیحیت قبول کریں یا نہ کریں۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو حکم دیا تھا کہ علمائے یہود کی ذاتی خرابیوں سے بچو اور ان خرابیوں میں ان کی تقلید نہ کرو۔ مگر جو کچھ وہ انہیں شریعت موسوی کی بابت تعلیم دیں اُس پر

عمل کرو کیونکہ احکام توریت عیسائیوں کے لئے واجب العمل ہیں گویا شریعت موسوی اور شریعت عیسوی ایک ہی چیز ہے اب ہم اس اعتبار سے شریعت عیسوی کی چند خصوصیات یہاں بیان کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو آج کل کے "عیسائیوں" یا پولوسیوں کی عام روش دیکھ کر اصلی عیسوی تعلیم کے متعلق غلط فہمیاں واقع نہ ہوں۔

طہارت احبار باب ۱۵، اور استثنا باب ۲۳، اور دوم سموئیل باب ۱۱ اور عہد جدید کے دوم قرنتیوں کے باب ۷ میں طہارت پر بڑا زور دیا گیا ہے مگر ان کی تعمیل پر آج کل بالعموم اس قدر زور نہیں دیا جاتا

ختنہ پیدائش باب ۱۷ میں آیہ ۹ سے ۱۵ تک ختنہ کا حکم ہے اور اس حکم پر زور دیا گیا ہے اور اسے اللہ کا عہد قرار دیا گیا ہے یہ حکم ان الفاظ میں دیا گیا ہے:۔

"اور میرا عہد جو میرے اور تمہارے (یعنی ابراہام کے) درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے جسے تم یاد رکھو سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جاوے اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کرو اور یہ اس عہد کا نشان ہوگا جو میرے اور تمہارے درمیان ہے تمہارے پشت در پشت ہر لڑکے کا جب وہ آٹھ روز کا ہو ختنہ کیا جائے گا کیا گھر کا پیدا کیا پردیسی سے خریدا ہوا جو تیری نسل کا نہیں لازم ہے کہ تیرے خانہ زاد اور تیرے زر خرید کا ختنہ کیا جاوے اور میرا یہ عہد تمہارے جسموں میں عہد ابدی ہوگا اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہیں ہوا۔ وہ ہی شخص اپنے لوگوں میں کٹ جائے کہ اس نے میرا عہد توڑا۔"

تعجب ہے کہ ایسے صریح اور ایسے شدید ایسے اہم حکم کو عیسائیوں نے پس پشت ڈال دیا حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کا ختنہ ہوا تھا (دیکھو لوقا باب ۲ آیہ ۲۱) اور یوحنا بپتسمہ دینے والے کا بھی ختنہ ہوا تھا (دیکھو لوقا باب ۱ آیہ ۵۹) پولوس نے بھی عروج مسیح کے بیس سال بعد یعنی تخمیناً ۵۲ء یا ۵۳ء میں تمطاؤس کا ختنہ کیا

(دیکھو اعمال باب ۱۶ آیہ ۱ تا ۳)

آج کل کے عیسائی اصطباغ کو ختنہ کا قائم مقام قرار دیتے ہیں مگر یہ خیال کئی وجوہ سے غلط ہے:۔

۱۔ انجیل میں کہیں کوئی حکم ایسا نہیں پایا جاتا جس کی رو سے اصطباغ کو قائم مقام ختنہ قرار دیا جا سکے

۲۔ اگر اصطباغ صحیح طور پر قائم مقام ختنہ ہے تو مختونوں کو اصطباغ کیوں دیا جاتا ہے؟ یعنی کوئی یہودی یا مسلمان عیسائی ہو تو اسے اصطباغ دینے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟

۳۔ اصطباغ یہودیوں میں بھی ختنہ کے ساتھ ہمیشہ سے جاری تھا۔ ایسی صورت میں ایک چیز دوسری چیز کی قائم مقام صرف اپنی رائے سے کیسے ہو سکتی ہے؟

رومن تاریخ کلیسا حصہ ۲ صفحہ ۲۲ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یروشلم کے کلیسیا میں عیسائیوں میں سنہ ۱۵۰ء کے قریب تک ختنہ کا دستور جاری رہا۔ جب یہودیوں کی مخالفت کے سلسلہ میں قیصر ادرین نے حکم جاری کیا کہ ہر ختنہ کرنے والا قتل کیا جائے اُس وقت فلسطین کے عیسائیوں نے اس خوف سے کہ اُن پر یہودی ہونے کا شبہ نہ کیا جائے نہ صرف ختنہ کو بلکہ تمام ان رسوم کو جن میں وہ اور یہودی مشترک تھے موقوف کر دیا۔ اور ایک غیر یہودی مرقس کو اپنا پیشوا قرار دیکر الگ ہو گئے اور جان کے خوف سے اپنی روش کو بدل ڈالا۔ مگر بعض عیسائیوں نے باوجود ان خطرات کے اپنی روش کو نہ بدلا۔ اور اپنی قدیم چال پر قائم رہے اور اپنی جماعتوں کو علیحدہ کر لیا۔ انہیں لوگوں کو ابیونی کہتے ہیں۔

لحم الخنزیر | سور کا گوشت نہ صرف کھانا بلکہ اسے ہاتھ تک لگانا حرام ہے دیکھو احبار باب ۱۱ آیہ ۷ اور استثناء باب ۱۴ آیہ ۸ اور یسعیاہ باب ۶۵ آیہ ۳ و ۴ اور باب ۶۶ آیہ ۱۷۔ عہد جدید کی کتاب اعمال کے باب ۱۵ کی آیہ ۲۹ میں ہے کہ:۔

"تم بتوں کے چڑھاووں اور گلا گھونٹی ہوئی چیزوں اور حرامکاری سے پرہیز کرو"۔ اس آیہ میں تحریف ہے بجائے "لحم الخنزیر" کے "حرامکاری" کا لفظ داخل کر دیا گیا ہے۔ یہاں صرف کھانے پینے کی

چیزوں کی حلت و حرمت کا ذکر ہے جو امکانی دوسرے مقامات پر حرام قرار دی گئی ہے یہاں اس کا ذکر بے جوڑ ہے قدیم یونانی نسخوں میں اس جگہ کوتریاس کا لفظ پایا جاتا ہے جس کے معنی لحم الخنزیر کے ہیں۔ جدید نسخوں میں اس لفظ کو پورنیاس سے بدل دیا گیا جس کے معنی زنا کے ہیں۔ ڈاکٹر بینٹلی اور مسٹر ریوس جو اناجیل کے بڑے مصحح ہیں لفظ کوتریاس ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔

مے نوشی | احبار باب ۱۰ آیہ ۹ و ۱۰ کی رو سے شراب قطعاً حرام ہے اور نہایت شدت کے ساتھ ہمیشہ کے لئے حرام کردی گئی ہے۔ عہد جدید کی کتاب اول قرنتیوں کے باب ۶ کی آیات ۹ اور ۱۰ کی رو سے شرابی "خدا کی بادشاہت کا وارث" نہیں ہوسکتا یعنی اس کا جہنمی ہونا قطعی ہے متی باب ۲۴ آیہ ۴۹ و ۵۰ سے تو یہ بھی پایا جاتا ہے کہ شرابیوں اور متوالوں کے ساتھ کھانا بھی مسیح کی نگاہ میں گناہ تھا۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ انجیل یوحنا (باب ۲) میں جو مسیح کا سب سے پہلا معجزہ بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ شرابیوں کی مجلس میں جاکر مٹکوں میں بھرے ہوئے پانی کو شراب بنا دیا۔ پولوس نے تمطاؤس کو حکم دیا کہ شراب پیا کرو۔ (اول تمطاؤس باب ۵ آیہ ۲۳) مرتے وقت عیسائی سیکرمنٹ میں نان پاؤ اور شراب کا استعمال کرتے ہیں اور اُسے مسیح کی آخری وصیت اور یادگار سمجھتے ہیں لہذا اسے عشاء ربانی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ پولوس نے طیطس کے نام اپنے خط میں (باب ۱ آیہ ۱۵) صاف لکھدیا ہے کہ:-

"پاک لوگوں کے لئے سب کچھ پاک ہے پر ناپاکوں اور بے ایمانوں کے لئے کچھ پاک نہیں" اس الہام کی رو سے تو برگزیدہ لوگوں کے لئے سب ہی کچھ جائز ہوگیا۔ ان متضاد تعلیمات کو دیکھ کر بھی تحریف اناجیل میں شبہ کرنا انتہائے سادہ لوحی کی بات ہے۔

سود | مندرجہ ذیل آیات میں سود لینے کی بہت سخت ممانعت آئی ہے:- خروج باب ۲۲ آیہ ۲۵ احبار باب ۲۵ آیہ ۳۶ و ۳۷۔ استثنا باب ۲۳ آیہ ۱۹۔ زبور ۱۵ آیہ ۵۔ امثال ۲۸ آیہ ۸۔ حزقی ایل باب ۱۸ آیہ ۸ یرمیاہ باب ۱۵ آیہ ۱۰۔ علاوہ ازیں اول پطرس باب ۵ آیہ ۲ اور

اوّل تھلاؤس باب ۳ آیہ ۳ میں جو "نار و انفع" کی ممانعت ہے اُس میں سود کو شامل سمجھا جا سکتا ہے۔

یوم السبت یہودیوں کے نزدیک یوم السبت یعنی سنیچر کا دن مبارک سمجھا جاتا تھا اور اس دن سارے کام کاج چھوڑ کر عبادت کی جاتی تھی (خروج باب ۲۰ آیہ ۸ و ۹) عیسٰی علیہ السلام کے حواری بھی سنیچر ہی کے دن کی بزرگی کو ماننے تھے (متی باب ۲۴ آیہ ۲۰) اب بجائے سنیچر کے عیسائیوں نے محض اپنی ذمہ داری پر اتوار کا دن متبرک قرار دے لیا ہے جس کی کوئی سند نہ توریت میں کہیں پائی جاتی ہے نہ انجیل میں اور یوں دیکھا جائے تو جمعہ کے دن عیسٰی علیہ السلام کی ولادت بیان کی جاتی ہے اور جمعہ ہی کے دن قصہ صلیب پیش آیا۔ اور نجات اُمت واقع ہوئی۔ اس اعتبار سے تو جمعہ کے دن سنیچر اور اتوار دونوں پر فضیلت ہوئی۔

احترامِ انبیائے سابقین تحریف و الحاق کا بُرا ہو اس معاملہ میں بھی اناجیل مروجہ کی بعض عبارات اور عیسائی مفسرین کی اُن پر طبع آزمائیاں اطمینان بخش نہیں بلکہ مذاق سلیم کو یہ باتیں بہت کھٹکتی ہیں یوحنا باب ۱۰ آیہ ۸ میں ہے کہ "سب جتنے مجھ سے (یعنی مسیح سے) آگے آئے چور اور بٹمار ہیں پر بھیڑوں نے اُن کی نہ سُنی" ٹامس اسکاٹ صاحب اس آیہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "وہ جو مجھ سے پہلے آئے ہمیں ان کو وفادار اور ہادی اور نبی نہ سمجھنا چاہئے کیونکہ انہوں نے اسی کے ماتحت حکومت کا کام کیا اور اس کے پیش رو رہے" لارڈنر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ بشپ، مانی بانی کا قول ہے کہ جناب مسیح کا یہ کہنا خصوصیت کے ساتھ موسٰی (علیہ السلام) کے حق میں تھا فاسٹس بھی اس قول کو موسٰی علیہ السلام ہی کے حق میں قرار دیتا ہے تو پھر بھی اس معاملہ میں انہیں لوگوں کا پیرو ہے مگر یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ ایسی صورت میں عیسٰی علیہ السلام نے شریعت موسوی کو برقرار کیوں رکھا اور اپنی امت کو اس کی پیروی کا تاکیدی حکم کیوں فرمایا۔ ان دو متضاد باتوں میں سے ایک کو الحاقی ضرور ماننا پڑے گا قرآن تو اسی کی شہادت دیتے ہیں کہ انبیائے اولوالعزم کی شان میں اس نوع کے گستاخانہ کلمات پابندی شریعت سے ان لوگوں کی طبعی بیزاری کی دلیل ہیں جناب مسیح بھی اپنے متبعین کے ان گستاخانہ تیوروں سے نہیں بچے چنانچہ پولوس فلیمون کے

نام اپنے خط (باب ۱ آیہ ۲۴) میں لکھتے ہیں کہ "اب میں اپنی ان مصیبتوں سے جو تمہارے واسطے کھینچتا ہوں خوش ہوں اور مسیح کی مصیبتوں کی کمیاں اس کے بدن کے یعنی کلیسہ کے لئے اپنے جسم سے بھرے دیتا ہوں" یہاں پولوس صاف طور پر عیسیٰ علیہ السلام کی مصیبتوں کو ناقص اور اپنی مصیبتوں کو کامل قرار دیتے ہیں جو لوگ اپنے خاص نبی اور رسول سے نہیں چوکتے وہ بھلا دوسروں سے کب باز آسکتے ہیں۔ یہی پولوس دوم قرنتیون کے باب ۱۱ آیہ ۵ میں کہتے ہیں کہ :- میں اپنے تئیں سب سے بڑے رسولوں سے کچھ کم نہیں سمجھتا ہوں"۔ اسی باب کی آیہ میں یہ اپنے آپ کو ایک بات میں خدا تک سے تشبیہ دے جاتے ہیں لکھتے ہیں کہ :- "مجھے تمہاری بابت خدا کی سی غیرت آتی ہے"۔ ہم ان فقروں پر اس مضمون میں توجہ نہ کرتے اور صحف سماوی پر تبصرہ کرنے والے کو ضرورت بھی نہیں کہ زید عمرو بکر کی تحریروں پر التفات کرے۔ مگر جب ان تحریروں کو الہامی قرار دیدیا گیا ہو اور صحف سماوی کے تحت میں لاکر مجموعہ کتب عہد جدید میں انہیں شامل کر دیا گیا ہو تو ان کے مضحکہ انگیز پہلوؤں کو کیونکر نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

کثرت ازدواج اس مسئلہ پر دنیائے مغرب میں عام طور پر بڑی غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے اور یہ گمان کیا جاتا ہے کہ مذہب عیسوی ایک وقت میں ایک سے زائد بیویاں کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ حالانکہ یہ خیال غلط ہے۔ بائبل اس خیال کی تردید کرتی ہے۔

ہم متعدد بار بتلا چکے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے توریت کو منسوخ نہیں فرمایا اور نہ عیسائیوں کو احکام توریت کی پابندی سے مستثنیٰ کیا ہے اصلی اور سچی عیسویت بائیبل کی رو سے توریت اور انجیل دونوں کی پابندی پر مشتمل ہے۔ پہلے توریت کو لیجئے اور مندرجہ ذیل حوالجات کو ملاحظہ فرمائیے :-

پیدائش باب ۱۶ آیہ ۳ و ۴، باب ۲۵ آیہ ۱، باب ۳۵ آیہ ۲۲ تا ۲۶۔ احبار باب ۱۸ آیہ ۱۸۔

استثنا باب ۲۱ آیہ ۱۵۔ قاضیوں باب ۸ آیہ ۳۰۔ اوّل سموائیل باب ۱ آیہ ۱ و ۲ و ۳، باب ۲۵ آیہ ۴۲ و ۴۳، دوم سموائیل باب ۳، باب ۵ آیہ ۱۳، باب ۱۱ آیہ ۲۷، باب ۱۲ آیہ ۸، باب ۱۵ آیہ ۱۶۔ اول سلاطین باب ۱۱ آیہ ۱ تا ۴، باب ۱۱ آیہ ۱ تا ۳۔ اوّل تواریخ باب ۳ آیہ ۱ تا ۹، باب ۱۴ آیہ ۳۔ دوم تواریخ باب ۱۱ آیہ ۲۱، باب ۱۳ آیہ ۲۱، باب ۲۴ آیہ ۲ و ۳۔

کتب عہد عتیق کے متذکرہ بالا مقامات کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ایک ہی وقت میں ایک سے زائد بیویاں کرنے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ اس میں برکت اور برگزیدگی بھی ہے اور اللہ کے برگزیدہ بندوں اور انبیاء علیہم السلام کا اس پر نہایت شد ومد کے ساتھ بکثرت عمل بھی رہا ہے ابراہیم علیہ السلام نے تین نکاح کئے۔ بی بی سارہ بی بی ہاجرہ اور بی بی قطورہ سے۔ اور اگر بی بی قطورہ سے عقد بی بی سارہ کی وفات کے بعد بھی تسلیم کیا جائے۔ تب بھی دو بیویوں کا بیک وقت مجتمع ہونا تو بالاتفاق ثابت ہے یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں۔ حضرت سموائیل نبی کے والد ماجد کی دو بیویاں تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں۔ داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں یہ وہ برگزیدہ نبی ہیں جن کی نسل سے بلحاظ جسم مسیح کا پیدا ہونا بائیبل میں بیان کیا گیا ہے بڑی عظمت کے ساتھ آپ کا ذکر آیا ہے اور باستثناء اس معاملہ کے جو زوجہ اوریاہ کے متعلق بائیبل میں آپ سے منسوب کیا گیا ہے اور کوئی الزام آپ پر نہیں لگایا گیا حتیٰ کہ آپ کی کثرت ازدواج پر بھی آپ پر کوئی اعتراض نہیں آپ کی زبور یہودیوں اور عیسائیوں کی کتب مقدسہ میں اب تک کمال عزت و عظمت کے ساتھ موجود ہے) سلیمان علیہ السلام کی سات سو (۷۰۰) بیویاں تھیں اور تین سو (۳۰۰) حرم (آپ پر بھی بائیبل میں اس کثرت ازدواج پر کہیں کوئی الزام نہیں آیا) حضرت سلیمان کے بیٹے رحبعام کی اٹھارہ (۱۸) بیویاں تھیں اور ساٹھ (۶۰) حرم۔ حضرت سلیمان کے پوتے ابیاہ کی چودہ (۱۴) بیویاں تھیں حضرت جدعون کی بھی بہت سی بیویاں تھیں اب اناجیل کو لیجئے۔ اناجیل میں کہیں توریت کی اس اجازت کو منسوخ نہیں کیا گیا۔ عہد جدید کی کتب مقدسہ میں سے کسی کتاب میں ایک سے زائد بیویوں کے ایک ہی وقت میں جمع کرنے کی ممانعت نہیں آئی صرف دو مقاموں پر

اس قسم کی عبارت پائی جاتی ہے جس سے شائد اس نوع کی ممانعت کا التباس ہوا ہو پولوس کے تمطاؤس کے نام پہلے خط کے باب ۳ آیہ ۱ و ۲ میں مندرجہ ذیل عبارت واقع ہوئی ہے۔

"یہ بات سچ ہے کہ جو کوئی کلیسے کی نگہبانی کی آرزو رکھتا ہے وہ اچھا کام چاہتا ہے پس چاہیئے کہ نگہبان بے عیب، ایک جورو کا شوہر، پرہیزگار، صاحب تمیز، مسافر دوست تعلیم دینے میں قابل ہو"

اسی سے ملتی جلتی اور اسی مضمون کی عبارت پولوس کے طیطس کے نام خط کے باب ۱ آیہ ۶ میں پائی جاتی ہے اوّل تو ان دونوں عبارتوں کو انجیل ربعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ پولوس کے مشکوک اور غیر معتبر خطوط کی عبارت ہے اگر ان خطوط کو معتبر بھی مانا جائے تو یہ پولوس کی ذاتی رائے ہے جو نہ شریعت موسوی میں ترمیم کا باعث ہو سکتی ہے نہ شریعت عیسوی میں۔ علاوہ ازیں پولوس کی یہ رائے بھی صرف پادریوں اور کلیسے کے خدام سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ عام عیسائیوں سے۔ پادریوں اور مذہبی خدمت کرنے والوں کو صرف مشورہ دیا گیا ہے کہ بہتر ہو اگر ان کے ایک ہی بیوی ہو تاکہ بیوی بچوں پر ان کا زیادہ وقت صرف نہ ہو اور کلیسا کی خدمت کے لئے انہیں فرصت زیادہ ملے اس مشورہ کی رو سے بھی پادریوں کے لئے بہتر ہے اگر وہ ایک ہی بیوی رکھیں لیکن ایک سے زائد بیویاں اگر ان کے پاس ہوں تو اسے گناہ ہرگز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ قرنتیوں کے باب ۷ آیہ ۱ میں ہی پولوس لکھتے ہیں کہ:-

"مرد کے لئے یہ اچھا ہے کہ عورت کو نہ چھوئے"

اور اسی باب کی آیہ ۲۸ میں مردوں اور عورتوں کو شادی نہ کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے مگر اس مشورہ کے خلاف عمل کرنے والوں کو گنہگار بھی نہیں ٹھہرایا گیا۔ چنانچہ اسی باب میں جہاں آیہ ۱ میں مرد کے لئے عورت کا نہ چھونا اچھا بیان کیا گیا ہے وہاں آیہ ۲ میں فوراً یہ بھی کہہ دیا گیا ہے کہ "اگر حرامکاری سے بچنے کے لئے کوئی مرد جورو کرے یا عورت شوہر کرے" تو مضائقہ نہیں اور آیہ ۲۸ میں جہاں مردوں اور عورتوں کو شادی کے خلاف مشورہ دیا گیا ہے۔ وہاں اسی آیہ میں یہ بھی صاف جتلا دیا گیا ہے کہ اگر کوئی نکاح کرے تو گناہ نہیں بالکل اسی نوع کا مشورہ پادریوں کو بھی دیا گیا ہے کہ اگر وہ ایک ہی بیوی پر قناعت کریں تو مذہبی خدمت کا انجام دینا ان کے لئے زیادہ آسان

ہوگا۔ اگر ایک سے زیادہ بیوی کا ایک ہی وقت میں رکھنا مذہباً گناہ ہوتا تو ممانعت عام ہوتی، نہ کہ پادریوں کے لئے خاص۔ اس ممانعت خاص سے اس بات کا پتہ بھی چلتا ہے کہ اُس زمانہ میں عیسائیوں میں کثیر الازدواجی کی رسم عام تھی جس سے پادریوں کو باز رکھنے کی کوشش کی گئی۔ اس ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ کہ حواریوں کے زمانہ میں، نیز اس کے بعد بھی اغیار کے ہاتھوں بیچارے عیسائیوں پر ایسے شدید مظالم اور مصائب کی بارش ہوتی رہی ہے کہ ان بیچاروں کو وطن چھوڑنا پڑتا تھا، برسوں جنگلوں اور پہاڑوں میں چھپنا پڑتا تھا۔ جب پکڑے جاتے تھے تو بڑی اذیت سے قتل کئے جاتے تھے باپ کے سامنے بیٹا اور بیٹے کے سامنے باپ قتل ہوتا تھا۔ عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو جاتے تھے جب یہ لوگ بھٹکتے تھے تو سارے گھر کو ساتھ لے کر بھاگنا اور عورتوں بچوں سمیت جنگلوں پہاڑوں میں بسر کرنا بہت دشوار ہوتا تھا پادری والش صاحب مصر کی بعض قبروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رومی سلاطین نے عیسائیوں کو دس بار خوفناک اور دردانگیز ایذائیں پہنچائیں، اور تباہیاں ان پر برپا کیں ان میں عیسائی لوگ انہیں غاروں میں پناہ لیتے تھے۔ اور اپنے مردوں کو انہیں میں دفن کر دیتے تھے۔ قرنتیون کے باب ۷ آیات ۲۶ تا ۲۹ میں انہیں مصائب کی جانب اشارہ ہے۔ ان حالات میں ایک بیوی کا ہونا بھی مصیبت ہوتا ہے چہ جائیکہ متعدد بیویاں ہوں، خصوصاً پادریوں کے لئے جن کے کاندھوں پر کلیسا کی خدمت اور تبعین مسیح کی رہنمائی کا بھی بار تھا۔ ان پادریوں کے لئے ان حالات میں یہ ایک عارضی مشورہ تھا جو پولوس نے پیش کیا تھا اور وہ کوئی مذہبی حیثیت نہ رکھتا تھا۔

عیسائیوں میں ایک فرقہ ہے جو مورمن (MORMAN) کے نام سے موسوم ہے۔ ان میں ہر عیسائی کو بارہ بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔ ان کے پیشوا برگھم ینگ (۱۸۰۱ء تا ۱۸۷۷ء) (BRINGHAM YOUNG) کے پاس ایک وقت میں پچاس (۵۰) بیویاں رہ چکی ہیں عیسائی عقیدہ کے بموجب عیسیٰ علیہ السلام کی بھی دو بیویاں قرار پاتی ہیں ایک کلیسۂ قدیم یعنی جماعت یہود اور دوسری کلیسہ

جدید یعنی جماعت نصاریٰ (دیکھو دوم قرنتیون کا باب ۱۱ آیہ ۲۔ اور مکاشفات باب ۱۹ آیہ ۷، باب ۲۱ آیہ ۹ باب ۲۲ آیہ ۱۷) پراٹسٹینٹ فرقہ کے بانی مارٹن لوتھر نے ایک دولتمند شخص فلپ کو دو بیویاں رکھنے کی اجازت دی۔ لوتھر صاحب اپنی بعض تحریروں میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ انسان دس یا زیادہ بیویاں ایک ساتھ رکھ سکتا ہے تاریخ میں عیسائی دنیا کی متعدد مشہور ہستیاں ایسی پائی جاتی ہیں۔ جنہوں نے ایک ہی وقت میں متعدد بیویاں کیں۔ جرمنی اور فرانس کے متعدد بادشاہ تک اس زمرہ میں شامل ہیں۔ خود انگلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم نے جو فرقہ پراٹسٹنٹ کے زبردست سرپرست تھے متعدد نکاح کئے اور ایک وقت میں تین بیویاں رکھیں جرمنی کے پادری بونیٹیس نے پوپ گریگوری سے ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں دریافت کیا کہ انسان کو کس حالت میں دو بیبیاں کرنی جائز ہیں پوپ نے جواب دیا۔ کہ جب بیوی کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ خاوند اس سے مباشرت نہ کر سکے اس صورت میں خاوند کو دوسرا نکاح کر لینا درست ہے بشرطیکہ وہ بیمار بیوی کی ہر طرح خبر گیری کرتا رہے عیسائیوں نے خود کثیر الازدواجی کے جواز میں متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ رومن کیتھولک فرقہ کے راہبوں کی ایک جماعت کپوشینز کے رہنما برنارڈ واکینس نے اس رسم کے پسندیدہ ہونے کی تائید میں ایک کتاب لکھی ہے ان تائید کرنے والوں میں سے جو کہ متعدد ہیں سب سے زیادہ مشہور شخص جان ملٹن (۱۶۰۸ء تا ۱۶۷۴ء) ہے۔ جس نے اس رسم کی حمایت میں بڑا زور صرف کیا ہے وہ اپنی کتاب مضمون درباب مذہب عیسویت میں اس امر کے ثبوت میں انجیل سے بہت سے فقرے نقل کرتا ہے۔ پھر لکھتا ہے کہ:-

"علاوہ اس کے خدا تعالیٰ نے اپنے آپ کو استعارہ کے طور پر ایک حکایت میں مرد بتایا ہے (حزقی ایل باب ۲۳) جس نے احولاہ اور احولیبا دو عورتوں سے نکاح کیا اگر یہ رسم فی الاصل بُری ہوتی تو خدا تعالیٰ استعارہ میں بھی اس رسم کو اپنے لئے اختیار نہ کرتا جس رسم کی انجیل میں ممانعت نہ ہو ہم اس کو کس دلیل سے بُرا اور ذلیل کہیں کیونکہ انجیل نے کسی ملکی قانون کو جو اس

سے پہلے رائج تھا بُرا نہیں کہا۔ انجیل میں صرف یہ حکم ہے کہ ایلڈر اور ڈیکن پادری وہ لوگ بنائے جائیں جو صرف ایک بیوی رکھتے ہوں (اول تمطاؤس باب ۳ آیہ ۲ اور طیطس باب ۱ آیہ ۶) اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا گناہ ہے کیونکہ اگر گناہ ہوتا تو یہ حکم سب کے لئے عام ہوتا۔ صرف پادریوں ہی کے لئے نہ ہوتا۔ اس حکم میں یہ مصلحت ہے کہ ایک بیوی والے دنیا میں اتنا گرفتار نہ ہوں گے جتنا کہ زیادہ بیویوں والے اور اسی وجہ سے یہ لوگ گرجے کا کام بخوبی انجام دے سکیں گے۔ یہ ممانعت بھی کچھ گناہ ہونے کے سبب سے نہیں ہے۔ ان تمام باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سب کو ایک سے زیادہ بیبیاں جمع کرنے کی اجازت ہے اور اکثر لوگوں نے اس رسم کو اختیار بھی کیا ہے۔ حضرت موسیٰ نے کوئی جھوٹی صورت بیان نہیں کی۔ ہمارے اکثر نبیوں نے ایک سے زائد بیبیاں جمع کیں۔ لہذا مجھے یقین ہے کہ ایسی بے ادبی کوئی نہ کرے گا۔ کہ اس رسم کو حرام یا زنا ٹھہرائے کیونکہ انجیل میں صاف لکھا ہے کہ حرامکاروں اور زانیوں کو اللہ سزا دیگا اور اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام انکا میں خود محافظ ہوں لہذا ایک سے زیادہ بیبیاں جمع کرنا نکاح ٹھیرا۔ اور نکاح ہر طرح حلال اور درست ہے۔ حضرت موسیٰ ہی فرماتے ہیں کہ نکاح کرنا بہت اچھا ہے اور گناہ نہیں ہے"

پادری فاکس صاحب اپنی کتاب الموسوم بہ "غلطیوں کی اصلاح" مطبوعہ امریکن مشن پریس لکھنؤ ۱۸۷۱ء کے صفحہ ۲۰۶ و ۲۰۷ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"تعدد ازدواج کے مقدمہ میں ہم بے تردد تسلیم کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں بھی اس دستور نے رواج پایا تھا اور خدا نے بھی اس کو منع نہیں کیا۔ بلکہ اسی رسم پر چلنے والوں کو اکثر برکت کا وعدہ فرمایا ہے"

یہاں نامناسب نہ ہوگا۔ اگر رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو بعض عیسائی اس معاملہ میں اعتراض پیش کیا کرتے ہیں اُس کے جواب میں ایک عیسائی مصنف ہی کی تحریر کو پیش کر دیا جائے۔ جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۷ پر تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"اور یہ جو عیسائی الزام لگاتے ہیں کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) شہوت پرست تھے (نعوذ باللہ) یہ اُن کا الزام باطل ہے کیونکہ جب آپ نے ظہور فرمایا اُس زمانہ میں اہل عرب میں بے انتہا نکاحوں کا رواج تھا۔ پس یہ امر بظاہر بیہودہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسا شخص جو خود شہوت پرست ہو وہ بدکاری کی اس رسم کو معدوم کر دے۔ علاوہ اس کے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہم یہ بات بھی آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ بھی اپنے ہموطنوں کی مانند عورتوں سے بہت رغبت رکھتے تھے اور آپ نے یہ کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ آپ اُن انسانی خواہشوں سے بری ہوں۔ جو سب آدمیوں کو ہوتی ہیں بلکہ برعکس اس کے یہ فرمایا ہے کہ میں بھی تمہیں جیسا آدمی ہوں اور بمقابلہ حضرت داؤد کے جو نبی اور بادشاہ تھے، اور جن کی تعریف انجیل میں لکھی ہے کہ وہ ایسے آدمی تھے جو خدا کا سا دل رکھتے تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) ایسے صاف تھے جیسے کہ ہونا چاہئے ڈانٹا عفت (پاکدامنی کی دیوی) کے منہ پر گرا ہوا ہو۔ ساؤل کی دو [illegible] دختر بشست حضرت داؤد کی پہلی زوجہ تھی۔ اس زوجہ کو اس کے باپ نے آپ کی جلاوطنی کے زمانہ میں آپ سے لے لیا۔ بعد ازاں آپ نے مسلسل کتنے ہی نکاح کئے۔ مگر باین ہمہ اپنی پہلی زوجہ کا بھی دعویٰ برابر کرتے رہے۔ حضرت داؤد نے ایک غیر مختون بادشاہ کی بیٹی سے بھی بے تکلف نکاح کر لیا۔ اور اگرچہ آپ کے ہاں اکثر بیویوں سے اولاد بھی تھی۔ مگر آپ یروشلم میں حرمیں کرتے رہے اور آخر کار بت سبع کے معاملہ میں آپ نے حرام اور

خون ناحق بھی کیا (نعوذ باللہ) جب حضرت داؤد ایسے ضعیف ہو گئے کہ آپ پر ہر چند کپڑے ڈالے جاتے مگر آپ کو گرمی نہ پہنچتی اور سردی موقوف نہ ہوتی تو یہ تجویز ٹھیری کہ ایک نوجوان باکرہ عورت بہم پہنچائی جائے جو آپ کی خدمت کرے اور آپ کے ساتھ ہم خواب ہو۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ ایک نہایت حسین اور نوعمر عورت لائی جائے"۔

اقتباس مندرجہ بالا کے بعد ہم اپنی طرف سے صرف اس اضافہ کی ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ جو لوگ خود شیشے کے مکانوں میں رہتے ہوں ان کا دوسروں پر پتھر پھینکنے میں پیش قدمی کرنا عقل مندی کے خلاف ہے۔

مہر | عورتوں کو نکاح میں مہر دینا شریعت موسوی وعیسوی میں داخل ہے ملاحظہ فرمایئے پیدائش باب ۳۴ آیہ ۱۲۔ خروج باب ۲۲ آیہ ۱۶۔ استثناء باب ۲۲ آیہ ۲۹۔ اول سموئیل باب ۱۸ آیہ ۲۵۔

شوہر کی اطاعت | لوگ موجودہ عیسائی دنیا کی عام روش دیکھ کر تعلیم عیسوی کے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ انجیلی تعلیم عورتوں ہی کو مردوں کی فرمانبرداری کا حکم دیتی ہے افسیون باب ۵ آیات ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ میں ہے کہ:۔

"اے عورتو! اپنے شوہروں کی ایسی فرمانبردار ہو جیسے خداوند کی۔ کیونکہ شوہر زوجہ کا سر ہے جیسے کہ مسیح بھی کلیسہ کا سر ہے اور وہ بدن کا بچانے والا ہے تو بھی جیسے کلیسہ مسیح کی فرمانبردار ہے۔ ویسے ہی بیویاں بھی ہر بات میں اپنے شوہروں کی ہوویں"۔

اسی طرح اول تمطاؤس باب ۲ اور اول پطرس باب ۳ میں بھی عورتوں کو اپنے شوہروں کی اطاعت کا تاکیدی حکم موجود ہے۔

فساق وفجار سے اجتناب | عیسائی رواداری کا وعظ کہنے والے اس بات کو غالباً تعجب سے دیکھیں گے۔ کہ احکام انجیل کی رو سے عیسائیوں کو بالکل اجازت نہیں کہ وہ اپنے ان عیسائی بھائیوں تک

سے میل جول رکھیں، اور ان کے ساتھ کھانا تک کھائیں جو حرام کار یا لالچی یا بت پرست یا گالی دینے والے یا شرابی یا ظالم ہوں اوّل قرنتیوں کے باب ۵ آیہ ۱۱ میں ہے کہ:-

"اگر کوئی بھائی کہلاکر حرام کار یا لالچی یا بت پرست یا گالی دینے والا یا شرابی یا لٹیرا ہو تو اس سے صحبت نہ رکھنا بلکہ ایسے کے ساتھ کھانا تک نہ کھانا"

توحید و تثلیث تثلیث کے مسئلہ نے عیسائی دنیا میں بڑا تہلکہ برپا کیا، بڑی خونریزیاں کیں اور بہت سے فرقے پیدا کر دیئے۔ مگر ہم یہاں صرف انجیل کی روشنی میں اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔

جن کتابوں کو آسمانی ہونے کا دعوے ہے۔ اُن کے مطالعہ کرنے والوں کے پاس ان کتابوں کی حقانیت دریافت کرنے کے لئے ایک اتنا اچھا معیار ہے جس میں مغالطہ نہیں ہونے پاتا۔ وہ معیار توحید کی تعلیم ہے۔ جن کتب سماوی میں توحید کو جس خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہو اتنی ہی حقانیت کا ان میں پتہ چلتا ہے اور ان کی عبارتیں جس قدر توحید اصلی سے ہٹی ہوئی ہوں اتنا ہی ان میں تحریف و الحاق کا گمان ہوگا اناجیل مروجہ میں باوجود اس کے کہ تحریف و الحاق کے وقوع کا عیسائی علما تک کو اعتراف ہے تعجب ہے کہ توحید الٰہی اور عبدیت مسیح کی تائید میں کافی مواد موجود ہے تعجب کی بات یہ ہے کہ باوجود اس مواد کے عیسائیوں نے تثلیث کو بے دھڑک اپنا مسلک قرار دے لیا اور الوہیت مسیح کے قائل ہو گئے اقتباسات ذیل ملاحظہ ہوں:-

"یسوع نے اس سے جواب میں کہا کہ سب حکموں میں اوّل یہ ہے کہ اے اسرائیل سُن وہ خداوند جو ہمارا خدا ہے ایک ہی خداوند ہے" (مرقس باب ۱۲ آیہ ۲۹)

اسی نوع کا مضمون متی باب ۲۲ آیہ ۳۶ تا ۴۰ میں بھی موجود ہے اور اس توحید، نیز ہمسایہ کو پیار کرنے کی بابت آیہ ۴۰ میں مسیح کا یہ قول بھی درج ہے کہ "انہیں دو احکام پر ساری شرع اور سب انبیا کی باتیں موقوف ہیں اس سے زیادہ زبردست ثبوت دین مسیح کی بنیاد کے توحید پر ہونے کا کیا ہو سکتا ہے؟"

"خدا ایک ہے اور خدا اور آدمیوں کے بیچ ایک آدمی بھی درمیانی ہے وہ مسیح یسوع ہے۔"

(اول تطاؤس باب ۲ آیہ ۵)

توحید الٰہی اور عبدیت مسیح کا اس سے واضح تر اعتراف کیا ہو سکتا ہے؟ کتب عہد جدید میں بکثرت ایسی عبادتیں موجود ہیں جن سے عیسٰی علیہ السلام کا ابن آدم اور نبی اور اللہ کا برگزیدہ بندہ ہونا پایا جاتا ہے آپکے حواری بھی آپ کو اللہ کا بندہ اور نبی تسلیم کرتے تھے مگر باوجود ان تمام باتوں کے بعد کے عیسائی علما اہل تثلیث بن گئے اور یہ عقیدہ رکھنے لگے کہ خدا کی ذات واحد تین اقانیم پر مشتمل ہے۔ وجود حیات اور علم جس سے باپ بیٹا اور رُوح القدس مراد ہیں بعض عیسائی فرقوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو بھی تثلیث میں داخل کر لیا منجملہ دیگر اعتراضات کے ایک عقلی اعتراض جو اس تثلیث پر وارد ہوتا ہے یہ ہے کہ اگر اقانیم ثلاثہ میں سے ہر واحد کو ہر قسم کے کاموں کی یکساں قدرت کا مالک تسلیم کیا جائے تو تعین تعداد ثلاثہ اور تخصص تثلیث کی ضرورت نہیں رہتی اور اگر اقانیم ثلاثہ میں سے ہر اقنوم کو بطرز خاص جُدا جُدا کاموں کی قدرت کا مالک تسلیم کیا جائے تو ہر واحد کی شان میں نقص عظیم کا ہونا لازم آئیگا کہ ایک کا کام دوسرا نہیں کر سکتا اور اس بنا پر ذات واحد میں تقسیم کا تعین تثلیث کی ضرورت ہوئی اور یہ بات قادر مطلق کی شان سے بہت بعید ہے۔

عیسائی توحید کا بھی دم بھرتے ہیں اور تثلیث کا بھی مگر یہ نہیں سمجھا سکتے کہ اس تثلیث کے ہوتے ہوئے توحید قائم کیونکر رہ سکتی ہے جب سوال کیا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ اس مسئلہ کے سمجھنے سے عقل انسانی قاصر ہے انجیل سے بھی وہ کوئی سند پیش نہیں کر سکتے۔ توریت و انجیل میں لفظ "تثلیث" کسی جگہ نہیں پایا جاتا۔ اور اس کی تعلیم نہ عیسٰی علیہ السلام نے کسی کو دی نہ آپ کے کسی حواری نے۔ چنانچہ میزان الحق مطبوعہ مرزا پور ۱۸۶۲ء میں جو کہ ایک عیسائی کی تصنیف ہے باب ۲ فصل ۴ صفحہ ۶۴ پر درج ہے کہ:۔

"مسیحیوں کے اعتقاد میں اس عمدہ مطلب کو تثلیث یا ثالث واحد کہتے ہیں اور اگرچہ یہ لفظ بعینہٖ انجیل میں نہیں پائے جاتے مگر انجیل کی اس عمدہ تعلیم کا عادت کے موافق بیان نام ہوا ہے"

باوجود میزان الحق کی اس عبارت کے عہد نامہ جدید میں تین مقامات ایسے ہیں جہاں تثلیث کا لفظ صاف صاف تو نہیں آیا مگر باپ بیٹے اور روح القدس کا ذکر ایک جگہ جمع ہو گیا ہے ایک تو متی باب ۲۸ آیہ ۱۹ میں ہے کہ:۔

"اس لئے تم جا کر سب قوموں کو شاگرد کرو اور انہیں باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ دو"

یہ ذکر کسی اور انجیل میں نہیں اگر یہ بات صحیح ہوتی تو اور انجیلوں میں بھی اس کا ذکر ضرور آتا جیسا کہ متعدد امور میں ایک ہی بات کا مختلف اناجیل میں اعادہ کیا گیا ہے لیکن اگر اس عبارت کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے تثلیث ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ سب قوموں کو باپ کے نام سے جو کہ خدا ہے اور بیٹے کے نام سے جو کہ اس کا رسول ہے اور روح القدس سے پیدا ہوا ہے بپتسمہ دیکر شاگرد کرو۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ خدا کے نام کے ساتھ اس کے رسول کا نام آنا بھی ضروری ہے باپ اور بیٹے کے الفاظ کا استعمال اس زمانہ کی رسم کے مطابق محض رسمی ہے جس پر مزید گفتگو آگے آئے گی

دوسرے دوم قرنتیوں کے باب ۱۳ آیہ ۱۴ میں ہے کہ:۔

"اب خداوند یسوع مسیح کا فضل اور خدا کی محبت اور روح قدس کی صحبت تم سبھوں کے ساتھ ہووے۔ آمین"

یہ صرف دعائیہ کلمات ہیں اور اقانیم ثلاثہ کے ثبوت کا ان میں شائبہ تک نہیں تیسرے اوّل یوحنا باب ۵ آیہ ۷ میں ہے کہ:۔

"تین ہیں جو آسمان پر گواہی دیتے ہیں باپ اور کلام اور روح قدس اور یہ تینوں ایک ہیں"

یہاں البتہ تثلیث کا صاف صاف ظہور ہے اور یہی آیت اہل تثلیث کے تثلیثی عقیدہ کی بنیاد ہے لیکن بڑے تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اس آیت کے الحاقی ہونے پر جمیع محققین علمائے عیسوی کا اتفاق ہے

پادری فانڈر صاحب اور گریسباخ اور شولز ان لوگوں میں سے ہیں جو اس کے الحاقی ہونے کے معترف ہیں لندن میں ۱۸۳۳ء میں مسیحی علما کی جانب سے ایک کتاب لائبریری آف یوسفل نالج شائع ہوئی۔ جس میں مرقوم ہے کہ اسحٰق نیوٹن نے ایک پچاس صفحوں کا رسالہ لکھا ہے۔ جس میں نامۂ یوحنا اور نامۂ پولوس سے ان دو فقروں کے متعلق تحقیقی بحث کی ہے جن سے مسئلہ تثلیث پیدا ہوتا ہے، اور نیوٹن کی تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ ان دونوں آیات میں کاتبوں نے تبدیلی کی ہے اس سے دونوں آیات مندرجہ بالا یعنی دوم قرنتیون کے باب ۱۳ آیہ ۱۴ اور اوّل یوحنا باب ۵۔ آیہ ۷ کے الحاقی ہونے کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ ۱۸۷۰ء میں شہر کنٹربری (انگلستان) میں بائبل کی تنقید کی غرض سے ستائیس مشہور عیسائی علما کی ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں بالاتفاق یوحنا کی متذکرہ بالا آیت الحاقی قرار دی گئی۔

یہودیوں میں تو باوجود عقائد میں اختلافات باہمی کے کوئی شخص بھی عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت تو درکنار رسالت تک کا قائل نہیں۔ نہ توریت اور صحف انبیائے بنی اسرائیل میں کہیں تثلیث کی تعلیم پائی جاتی ہے۔

Mahmood

عقیدہ تثلیث کے اسباب اور اُن پر ناقدانہ نظر

کتب عہد جدید کے تعلیم تثلیث سے مبرا ہونے کی بابت پہلے بحث کی جا چکی ہے۔ آیئے اب عیسائی علما کے اقوال پر نظر ڈال کر یہ معلوم کریں کہ ان لوگوں کو الوہیت مسیح کا مغالطہ کن اسباب سے ہوا اور وہ اسباب معقول پسند نگاہوں میں کیا قیمت رکھتے ہیں۔

اگر مغالطہ کا باعث یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح القدس کے وسیلہ سے پیدا ہوئے (متی ۱: ۱۸) تو حضرت سارہ اور حضرت ربقہ دونوں بانجھ تھیں اور قوائے انسانی کے ذریعہ توالد و تناسل کی امید دونوں سے مفقود ہو چکی تھی۔ صرف خدا کے حکم سے اسحٰق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے (پیدائش ۱۸: ۱۱: ۲۵: ۲۱) حضرت یحییٰ کے پیدا ہونے کی بھی یہی شان ہے (لوقا ۱)

نیز بضلی ایل بن اوری کو بھی خدا روح اللہ فرما چکا ہے (خروج ۳۱: ۲، ۳) پھر عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اس معاملہ میں کیا خصوصیت رہی؟

اگر مغالطہ کا باعث یہ ہے کہ مسیح بے باپ کے پیدا ہوئے تو ثبوت الوہیت کے لئے یہ بات کافی نہیں اگر ماں کے پیٹ سے پیدا ہونا الوہیت کے منافی نہیں تو ماں اور باپ دونوں سے پیدا ہونا بھی الوہیت کے منافی نہیں ہو سکتا۔ عیسائی علما حضرت عیسیٰ کو پورا خدا بھی کہتے ہیں اور پورا انسان بھی۔ لیکن از روئے عقل وہ پورے انسان اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جبکہ اوصاف انسانی سے پورے طور پر متصف ہوں اور ماں باپ دونوں سے پیدا ہوئے ہوں۔ علاوہ بریں عیسائی عقیدہ کے مطابق پورے انسان کے لئے ضروری ہے کہ سب انسانوں کی طرح وہ بھی گنہ گار ہو (رومیوں ۳: ۹ تا ۱۲) اگر مسیح پورے انسان نہ تھے جو کہ ایک آسان تر کام ہے تو وہ پورے خدا کیسے ہو سکتے تھے جو کہ مشکل تر کام ہے؟ پھر یہ بھی خوب طلب سوال ہے کہ جب مسیح کے بے باپ کے پیدا ہونے پر الوہیت کا ان پر گمان ہو سکتا ہے تو آدم علیہ السلام پر یہ گمان کیوں نہ ہوا جو کہ بے ماں اور بے باپ کے پیدا ہوئے اور جنہیں خدا نے

اپنی صورت پر پیدا کیا (پیدائش ۱: ۲۷) حوا علیہا السلام کا پیدا ہونا بھی کچھ کم تعجب خیز نہیں کیونکہ وہ بغیر ماں کے پیدا ہوئیں ملک صدق کا حال بھی عجیب و غریب ہے۔ جو توریت اور انجیل دونوں میں موجود ہے۔ عبرانیوں کے باب ۷ آیہ ۳ میں ہے کہ:-

"یہ (یعنی ملک صدق) بے باپ بے ماں۔ بے نسب نامہ جس کے نہ دنوں کا شروع نہ زندگی کا آخر مگر خدا کے بیٹے سے مشابہ ٹھہر کے ہمیشہ کاہن رہتا ہے"۔

توریت میں (پیدائش ۱۴: ۱۸ تا ۲۰) اور زبور (۱۱۰: ۴) میں بھی اس کا ذکر آیا ہے علمائے اہل کتاب کے بیانات اس کے احوال میں بہت مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ایک فرشتہ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ خود مسیح ہی تھا۔ جو اس وقت بھی ظاہر ہوا مگر یہ دونوں گمان غلط ہیں کیونکہ اگر وہ فرشتہ ہوتا تو کہانت سے اس کو کیا تعلق اور خود اپنی ذات سے مسیح ہوتا تو مسیح کے مشابہ یا مسیح کے مانند ہونے کے کیا معنی؟ علمائے یہود کہتے ہیں کہ وہ نوح علیہ السلام کا دوسرا بیٹا سام تھا۔ مگر عبرانیوں کے خط کی رو سے یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس خط میں تو ملک صدق کا بے باپ بے ماں اور بے نسب نامہ کے ہونا لکھا ہے مگر سام کے باپ کا نام نوح تھا اور اس کا نسب نامہ توریت میں درج ہے۔ بہرحال ملک صدق فرشتہ نہ تھا بلکہ ایک انسان تھا اور بقول انجیل کے اس کے نہ باپ تھا نہ ماں نہ نسب نامہ حالانکہ عیسٰی علیہ السلام کے ماں تھیں اور آپ کا نسب نامہ اناجیل میں دو موقعوں پر درج ہے۔

اگر مغالطہ کا باعث یہ ہے کہ انجیل میں جابجا عیسٰی علیہ السلام کے لئے خدا کا لفظ آیا ہے تو اول تو اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ جہاں یہ لفظ آیا ہے وہاں اصلی عبرانی یا یونانی قدیم نسخوں میں بھی اسی طرح وارد ہوا ہے۔ چنانچہ اول تمطاؤس باب ۳ آیہ ۱۶ میں یہ وارد ہوا ہے کہ "خدا جسم میں ظاہر کیا گیا"۔ اس کے متعلق گریسباخ کی تحقیقات یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ "خدا" کی جگہ "وہ" کا لفظ اصلی نسخوں میں ہے یعنی یوں ہونا چاہئے۔ کہ "وہ کہ جسم میں ظاہر کیا گیا" جس طرح یہاں کسی خدا اگر نے "خدا" کا لفظ الحاق کردیا۔

اسی طرح دوسرے مقامات پر بھی الحاق واقع ہوا ہو تو اب کوئی کیسے جان سکتا ہے دوسرے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ عبرانی محاورہ میں اس زمانہ میں قاضیوں اور مفتیوں کو بھی خدا کہتے تھے۔ اسکاٹ صاحب بھی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کلام الٰہی میں مجسٹریٹ خدا کہلاتے تھے اور یہ لقب انہیں اس لئے دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں میں خدا کے نائب تھے۔ چنانچہ کتب مقدسہ قدیم و جدید میں خدا کے لقب سے بندے متعدد جگہ مخاطب کئے گئے ہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں :-

"خدا کی جماعت میں خدا کھڑا ہے الٰہوں کے درمیان وہ عدالت کرتا ہے" (زبور ۸۲: ۱)

"میں نے تو کہا کہ تم سب الٰہ ہو اور تم سب حق تعالیٰ کے فرزند ہو" (زبور ۸۲ : ۶)

"میں نے تو کہا تم سب خدا ہو" (یوحنا ۱۰ : ۳۴)

"جبکہ اس نے انہیں جن کے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہا" (یوحنا ۱۰ : ۳۵)

"پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا دیکھ میں نے تجھے فرعون کے لئے خدا سا بنایا اور تیرا بھائی ہارون تیرا پیغمبر ہوگا" (خروج ۷ : ۱)

"اور تو (اے موسیٰ) اس کے لئے (یعنی ہارون کے لئے) خدا کی جگہ ہوگا" (خروج ۴ : ۱۶)

"سارہ ابراہام کی فرمانبرداری کرتی اور اسے خداوند کہتی تھی" (۱۔ پطرس ۳ : ۶)

یوسف علیہ السلام نے اپنی بابت فرمایا کہ :-

"خدا نے مجھ کو سارے مصر کا خداوند کیا" (پیدائش ۴۵ : ۹)

ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ توریت و انجیل میں "خدا" اور "خداوند" کے الفاظ عبد اور معبود دونوں کے حق میں استعمال ہوئے ہیں اور یہ الفاظ صرف عیسیٰ علیہ السلام ہی کے لئے مخصوص نہ تھے بلکہ دیگر بندگان خدا کے حق میں بھی استعمال ہوئے ہیں اور ان الفاظ کے استعمال سے ان لوگوں کی عبدیت میں فرق نہیں آتا اور ان میں الوہیت ثابت نہیں ہوتی۔

اگر اس مغالطہ کا باعث یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے کو خدا کا بیٹا کہا ہے (یوحنا ۱۰: ۳۶ - متی ۳: ۱۷) تو انجیل میں ساٹھ (۶۰) مقامات پر آپ اپنے کو ابن آدم بھی فرما چکے ہیں جبکہ انجیلی اصطلاح میں (جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے) ہر شخص خدا ہے تو ہر انسان کا بیٹا بھی اس اصطلاح کے مطابق خدا کا بیٹا قرار پانا چاہیئے۔ غالباً عیسیٰ علیہ السلام کو یہ اندیشہ پیدا ہوا ہو گا۔ کہ لوگ آپ کو بجائے خدا کا اصطلاحی بیٹا ہونے کے حقیقی بیٹا نہ سمجھنے لگیں اس لئے آپ نے اپنے آپ کو بار بار ابن آدم کہا تاکہ لوگ متنبہ ہیں اور آپ کو الوہیت سے متصف نہ کرنے لگیں۔ بائیبل میں جہاں عام طور پر لوگوں کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے وہاں خاص خاص بندوں کے لئے بھی یہ پیار کا خطاب خاص طور پر استعمال کیا گیا ہے ایوب (۱: ۱۶ اور ۲: ۱) کی تفسیر میں اسکاٹ صاحب لکھتے ہیں کہ یہاں "خدا کے بیٹوں سے مراد پاک فرشتے ہیں۔ اور ایوب (۳۸: ۷) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ مفسرین کے نزدیک یہاں" خدا کے بیٹوں سے مراد انبیاء ہیں۔ عبرانیوں کے خط (۱: ۶) میں آدم علیہ السلام کو" خدا کا پہلوٹھا) بیان کیا گیا ہے۔ لوقا کے باب ۳ میں جو نسب نامہ درج ہے۔ اس کے آخر میں جہاں آدم کا نام آیا ہے وہاں آدم علیہ السلام کو خدا کا بیٹا لکھا ہے پیدائش (۶: ۲) میں آدم علیہ السلام کے بیٹوں کو خدا کے بیٹے کہا گیا ہے۔ گلتیون کے خط (۴: ۲۸) میں اسحٰق علیہ السلام" وعدے کے فرزند" بیان کئے گئے ہیں۔ خروج (۴: ۲۲) کی رو سے اسرائیل خدا کا پہلوٹھا اور پیارا بیٹا ہے۔ یرمیاہ (۳۱: ۹ و ۲۰) کے مطابق افرائیم خدا کا پہلوٹھا اور پیارا بیٹا ہے۔ زبور (۸۹: ۲۶ و ۲۷) میں حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی خدا کا بڑا بیٹا کہا گیا ہے۔ اوّل تواریخ (۲۲: ۱۰ اور ۲۸: ۶) اور دو سموائیل (۷: ۱۴) کی رو سے سلیمان علیہ السلام خدا کے فرزند ہیں۔ استثنا (۱۴: ۱) اور رومیوں کے خط (۹: ۴) کے بموجب جملہ اسرائیلی فرزندان خدا ہیں۔ رومیوں کے خط (۸: ۱۶) کی سند پر جملہ عیسائی فرزندان الٰہی ہیں۔ متی (۶: ۶ و ۱۸ اور ۷: ۱۱) میں ہر خاص و عام کو خدا کا فرزند قرار دیا گیا ہے اور یسعیاہ (۳۰: ۱) کی عبارت گنہ گار لوگوں کو بھی خدا کا فرزند ظاہر کرتی ہے ظاہر

ہے کہ ایسی فرزندی سے الوہیت کو کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ابنیت کا خطاب مختص نہ تھا۔ اور اس سے آپ کی الوہیت ثابت نہیں ہوتی۔

اگر اس مغالطہ کا باعث یہ ہے کہ یسوع کے لفظی معنی نجات دہندہ کے ہیں تو موسیٰ علیہ السلام کے جانشین حضرت یشوع علیہ السلام کے نام کے بھی یہی معنی ہیں اور حضرت یسعیاہ کے نام کے معنی خدا کی نجات کے ہیں تو گویا معنی کے لحاظ سے اس نام میں بھی کوئی خصوصیت نہ رہی۔

اگر مغالطہ کا باعث یہ ہے کہ آپ کا شفیع ہونا دلیل الوہیت سمجھ لیا گیا ہے تو زبور (۹۹: ۶) اور یرمیاہ (۱۵: ۱) میں حضرت موسیٰ اور حضرت سموئیل کو اور حزقی ایل (۱۴: ۲) میں حضرت نوح حضرت دانیال اور حضرت ایوب کو بھی شفیع کہا گیا ہے اور پیدائش (۱۸: ۲۳ تا ۳۳) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھی شفاعت کرنے کا ذکر موجود ہے۔

اگر الوہیت مسیح کا گمان اس امر پر مبنی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کر دیئے تو بائیبل ہی میں اول سلاطین (۱۷: ۲۲) میں ملاحظ فرمایئے کہ حضرت الیاس نے بھی ایک مردہ لڑکے کو زندہ کر دیا تھا۔ دوم سلاطین کے باب ۴ میں حضرت الیشع کا یہ عجیب و غریب واقعہ درج ہے۔ کہ آپ نے ایک عورت سے جس کا شوہر بوڑھا تھا فرمایا کہ تو اسی وقت سے حساب شمار کرنا شروع کر دے اور جب دن پورے ہو جائیں گے تو ایک بیٹا تو گود میں لیگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس معجزہ عجیبہ کی برکت سے وہ عورت اپنے بوڑھے شوہر کے پاس گئی بھی نہ تھی کہ حمل شروع ہو گیا۔ اس لڑکے کا شمار بھی ان ہی لڑکوں میں کرنا چاہئے جو بے باپ کے پیدا ہوئے۔ پھر جب جوان ہو کر یہ لڑکا مر گیا تو حضرت الیشع نے اسے زندہ بھی کر دیا اسی کتاب یعنی دوم سلاطین کے ابواب ۴ و ۵ و ۶ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ الیشع علیہ السلام نے اور بھی عجیب و غریب معجزات کا اظہار فرمایا۔ مثلاً بیس ۲۰ روٹیوں اور ایک ٹوکری بھر اناج کی بالوں سے سو انبیا زادوں کو پیٹ بھر کے کھانا کھلا دیا اور بچ رہا۔ ایک مبروص کو برص کی بیماری سے صحت دیدی ایک تندرست شخص کو مبروص بنا دیا۔

وہ ہے کہ پانی پر تیرا دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے تو اپنی اس دنیا ہی کی زندگی میں مردوں کو زندہ کیا تھا مگر دوم سلاطین (۱۳: ۲۱) کے بموجب حضرت الیشع کی مدفون لاش اور مردہ ہڈیوں نے ایک مردہ کو زندہ کر دیا۔ اعمال (۹: ۳۶ تا ۴۲) میں درج ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواری پطرس نے بھی ایک مردہ عورت کو جس کا نام تابیتھا تھا زندہ کر دیا۔ اعمال (۲۰: ۹ تا ۱۲) میں ایک واقعہ درج ہے کہ ایک لڑکا کوٹھے پر سے گر کے مر گیا تھا جس کا نام یوتخس تھا۔ اسے پولوس نے زندہ کر دیا۔ جب بائیبل ہی نے مردوں کے زندہ کرنے کا سہرا اتنے بہت سے سروں پر باندھ دیا۔ تو یہ صفت کسی کے لئے الوہیت کی دلیل کیسے ہو سکتی ہے۔ عیسائیوں کا کہنا ہے کہ مسیح نے جو معجزے دکھلائے وہ اپنی قدرت سے دکھلائے اور دوسرے نبیوں نے جو معجزے دکھلائے وہ مسیح کی طرف سے یعنی مسیح کی بخشی ہوئی قدرت سے دکھلائے مگر یہ لوگ اپنے اس قول کی تائید میں کوئی معقول دلیل پیش نہیں کرتے۔ یہ صرف ان کا خیال ہی خیال ہے اور موجودہ تحریف شدہ بائیبل میں بھی ان کے اس خیال کی تائید میں ایک لفظ تک نہیں ملتا۔ نبیوں کے ہاتھ پر اللہ کی قدرت سے معجزات کا ظہور ہوتا رہتا ہے مگر اظہار معجزہ اظہار نبوت کے لئے لازمی نہیں۔ جب معجزات دلیل نبوت نہیں تو دلیل الوہیت کیونکر ہو سکتے ہیں؟

اگر اس مغالطہ الوہیت کا باعث یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کہتے ہیں تو اس معاملہ میں بھی آپ تنہا نہیں۔ کیونکہ توریت کے بکثرت مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نبی اور بنی اسرائیل کا ہر بادشاہ اور کاہنوں کا ہر سردار ممسوح ہوتا تھا اور مسیح کہا جاتا تھا چنانچہ دوم سموئیل (۱: ۱۴) میں ساؤل کو مسیح کہا گیا۔ اول سموئیل (۱۶: ۱۳) اور دوم سموئیل (۲۳: ۱) میں داؤد علیہ السلام کو مسیح لکھا گیا یسعیاہ (۴۵: ۱) میں کیخسرو بادشاہ فارس کو خدا کا مسیح بیان کیا گیا۔ حضرت یسعیاہ نبی نے اپنی کتاب (۶۱: ۱) میں خود اپنی بابت تحریر فرمایا ہے کہ "خدا نے مجھے مسیح کیا" دوم سلاطین (۹: ۱تا۶) میں یاہو کو اور (۳۳: ۳) میں یوآخز کو مسیح لکھا گیا۔ دوم قرنتیوں کے خط (۱: ۲۱) میں حضرت

پولوس بھی اپنی شان میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"جس نے ہم کو ممسوح کیا سو خدا ہے"

اگر مغالطہ کا باعث یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ اٹھائے گئے تو پیدائش (۵: ۲۴) سے حنوک کا، دوم سلاطین (۲: ۱۱) سے حضرت الیاس کا آسمان پر زندہ اٹھا لیا جانا بھی ثابت ہے۔ قرنتیوں کے دوسرے خط (۱۲: ۲ تا ۴) میں پولوس بھی تیسرے آسمان تک اور فردوس بریں تک، اپنی اسی دنیا کی زندگی میں پہنچایا جانا بیان فرماتے ہیں رومن کیتھولک فرقہ کے نزدیک حضرت مریم بھی آسمان پر اٹھائی گئیں، یہ لوگ حضرت مریم سے بھی دعائیں مانگتے ہیں اور انہیں بہشت کی ملکہ کہتے ہیں۔

عیسائی یہ بھی کہتے ہیں کہ جب زبدی کے بیٹوں کی ماں نے عیسیٰ علیہ السلام کو سجدہ کیا (متی ۲۰: ۲۰) تو آپ نے اُسے سجدہ کرنے سے منع نہ فرمایا اور یہ آپ کی الوہیت کی دلیل ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ انجیلی محاورہ میں سجدہ سے اکثر خوشامد یا فرمانبرداری مراد ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی معنی میں مکاشفات (۳: ۷ تا ۹) میں آیا ہے کہ یہودی فلاڈلفیا کے کلیسے کے پادریوں کے پاؤں پر آکر سجدہ کریں گے جب اس سجدہ سے پادریوں کی الوہیت ثابت نہیں ہوتی۔ تو زبدی کے بیٹوں کی ماں کے سجدہ کرنے سے مسیح کی الوہیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟ بنت سبع نے داؤد علیہ السلام کو سجدہ کیا (اول سلاطین ۱: ۱۶) ساؤل کے پوتے مفیبوست نے داؤد علیہ السلام کو سجدہ کیا (۲ سموئیل ۹: ۶ و ۸) کوشی نے داؤد علیہ السلام کے سپہ سالار یوآب کو سجدہ کیا (۲ سموئیل ۱۸: ۲۱) اخیمعض نے بادشاہ داؤد کے آگے سجدہ کیا۔ (دوم سموئیل ۱۸: ۲۸) شاہ بابل نبوکد نضر یعنی بخت نصر اوندھے منہ گرا اور دانیال کے آگے اس نے سجدہ کیا۔ (دانیال ۲: ۴۶) روت جو کہ مسیح کی پردادیوں میں سے تھیں بوعز کے سامنے زمین پر سجدہ میں گریں (روت ۲: ۱۰) بائبل میں اس قسم کی بکثرت مثالیں موجود ہیں کیا یہ سب لوگ جن کے آگے سجدے

ہوئے مستحق الوہیت ہوگئے؟ ایک اور مثال سن لیجئے۔ جہاں ایسے شخص کے آگے سجدہ کرایا جاتا ہے۔ جو بت پرست تھا اور خدا سے ناواقف تھا۔ ایسے شخص کے متعلق الوہیت کا گمان کسی صورت سے ہو ہی نہیں سکتا۔ کورس بادشاہ یعنی کیخسرو کی بابت یسعیاہ (۴۵: ۴) میں خدا فرماتا ہے کہ تو مجھ کو نہیں جانتا پھر اگلی آیت میں فرماتا ہے کہ میں نے تیری کمر باندھی اگرچہ تو نے مجھے نہ پہچانا۔ اسی کورس یعنی کیخسرو سے یسعیاہ کے باب ۴۵ ہی کی آیہ ۱۴ میں یہ خطاب ہوتا ہے کہ:-

"خداوند یوں فرماتا ہے کہ مصر کی دولت اور کوش کا منافع اور سبا کے قدآور لوگ تیرے پاس آویں گے اور تیرے ہوویں گے اور تیری پیروی کریں گے وے بیڑیاں پہنے ہوئے اپنا ملک چھوڑ کے آویں گے، اور تیرے آگے سجدہ کریں گے وے تیرے آگے منت کریں گے"۔

صاف ظاہر ہے کہ یہاں سجدہ سے مراد منت و خوشامد ہے عبرانی انداز بیان اسی طور پر واقع ہوا ہے کہ ایک ہی مضمون کو دو مختلف طور پر بیان کیا جاتا ہے حالانکہ مقصد دونوں بیانوں کا ایک ہی ہوتا ہے مثلاً اقتباس بالا میں:- "تیرے آگے سجدہ کریں گے، وے تیرے آگے منت کریں گے" یہاں عبرانی محاورہ کے مطابق سجدہ کرنے اور منت کرنے کے ایک ہی معنی ہیں، اس طرح سے یہاں سجدہ کے معنی کو سمجھایا ہے۔

بعض عیسائی علما کی عبارت آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اب ذرا مسیح علیہ السلام کے انکسار و عبدیت کی بھی سیر کیجئے آپ فرماتے ہیں کہ:-

"میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ نوکر اپنے آقا سے بڑا نہیں اور نہ وہ جو بھیجا گیا ہے اپنے بھیجنے والے سے اگر تم یہ باتیں سمجھتے اور ان پر عمل کرتے ہو تو مبارک ہو" (یوحنا ۱۳: ۱۵ و ۱۶ و ۱۷)

مسیح نے شمعون سے فرمایا کہ:-

"میں نے تیرے لئے دعا مانگی کہ تیرا ایمان جاتا نہ رہے" (لوقا ۲۲: ۳۲)

اللہ سے دعا مانگنا عین عبدیت ہے۔

آسمان پر جانے سے قبل مسیح نے مریم سے کہا :۔

"مجھ کو مت چھو کیونکہ میں ہنوز اوپر اپنے باپ کے پاس نہیں گیا پر میرے بھائیوں (یعنی حواریوں) پاس جا اور ان سے کہہ کہ میں اوپر اپنے باپ اور تمہارے باپ پاس اور اپنے خدا اور تمہارے خدا پاس جاتا ہوں" (یوحنا ۲۰ : ۱۷)

مسیح علیہ السلام کے اس قول سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خدا کی نسبت باپ کے لفظ کا استعمال اس زمانہ کا عام محاورہ تھا۔

"میں نے تو آپ سے نہیں کہا بلکہ باپ نے جس نے مجھے بھیجا فرما دیا کہ میں کیا بولوں اور کیا کہوں"

(یوحنا ۱۲ : ۴۹)

حاصل یہ ہے کہ اناجیل مروجہ سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی الوہیت کا دعویٰ کیا ہو، اور تثلیث کی تعلیم دی ہو بلکہ خالص توحید ہی کی تعلیم آپ دیتے رہے اور اپنے کو اللہ کا بندہ اور پیغمبر کہتے رہے آپکے حواریوں نے بھی آپ کو صرف نبی ہی سمجھا اور نبی ہی مانا۔ آپکے زمانہ کے لوگوں نے بھی آپ کو نہ الوہیت سے موصوف کیا نہ الوہیت سے آپ کو موصوف کرتے ہوئے کسی کو دیکھا یا سُنا۔ آپکے دشمنوں تک نے آپ پر یہ الزام اُس زمانہ میں نہ لگایا کہ آپنے کبھی الوہیت کا دعویٰ کیا تثلیث کو آپ کی تعلیم سے کوئی واسطہ نہیں یہ بہت بعد کی بدعت ہے۔ ۳۲۵ء میں اس عقیدہ کی بنیاد مندرجہ ذیل صورت سے ڈالی گئی :۔

جارج سیل اپنے ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ ۳۲۵ء میں کونسل نیس منعقد ہوئی اور اُس میں مسیح کی الوہیت کا جس کی مدت سے گفتگو درپیش تھی، تصفیہ ہوا۔ اس کونسل کے انعقاد کی وجہ یہ تھی کہ جب آریوس نے جو مسیح کی الوہیت کا منکر تھا اپنے مسئلہ کو دونوں یوسی بیوسیوں اور دیگر علماء کی مدد سے خوب پھیلانا شروع کیا اور اتھانیشیس اس کے مقابلہ پر کھڑا ہوا۔ تب قسطنطین نے اس نزاع کو دیکھ کر اس کونسل

کے انعقاد کا حکم دیا۔ اس کونسل میں تیرہ (۱۳) بشپ اور بہت سے پادریوں نے تثلیث سے انکار کیا بعض لوگ تثلیث کے تو قائل ہو گئے۔ مگر کہا کہ روح القدس کے حضرت مریم کو تثلیث میں داخل کرتے تھے جب بادشاہ نے علانیہ حکم دے دیا کہ جو شخص تثلیث سے انکار کرے گا۔ اس کا مال ضبط اور وہ خود جلا وطن کیا جائے گا۔ تب اکثر اراکین کونسل نے بادشاہ کے خوف سے تثلیث کے عقیدہ پر دستخط کر دئے بس اُس وقت سے تثلیث قائم ہوئی۔ اور اتھانیشیس کا عقیدہ پھیلنا شروع ہوا۔

رومن تواریخ کلیسہ کے باب ۵ میں کونسل آف نائس کے متعلق لکھا ہے کہ اس دینی مباحثہ کے سبب بہت لوگ ستائے گئے بلکہ جان سے مارے گئے اور بڑی خونریزی کی لڑائیاں ہوئیں۔

جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۰ پر لکھتے ہیں کہ:۔

"قسطنطین اعظم نے صرف اپنے ملک کے استحکام کے لئے مذہب عیسائی اختیار کیا تھا اور یہ شخص ایسا ظالم تھا کہ لوگ اسے نیرو ثانی کہتے تھے۔ اس کے ہاں ایک مشہور انجمن تھی جس کو نائس کہتے تھے۔ اس مجلس نے پہلے پہل ۳۲۵ء میں حضرت مسیح کی خدائی کا مسئلہ نکالا"

سینٹ ہلیری جو چوتھی صدی کا ایک بشپ اور اگلے زمانہ کے پادریوں میں سے تھا ان مذہبی مناقشات کو بہت ناپسند کرتا تھا۔ جن کے باعث ہزارہا عیسائی جان سے مارے گئے اور جن لوگوں کو آپس میں بھائی بنکر رہنا چاہئے تھا۔ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کیا اُس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"بڑے افسوس کی اور خوف کی بات ہے کہ ہم لوگوں میں جس قدر رائیں ہیں اُسی قدر مسائل اور جیسا جس کا میلان ہے ویسا ہی اُس کا مذہب اور جتنی ہم میں کوتاہیاں ہیں اُتنی ہی ہماری کفر گوئی اور بے ادبی ہے کیونکہ ہم لوگ اپنے دل کی خواہش کے مطابق مسائل بنا لیتے ہیں پھر اُن مسائل کو اسی طرح بناوٹ سے بیان کرتے پھرتے ہیں ہر سال نہیں بلکہ ہر مہینہ ہم جدید مذاہب تراشتے ہیں۔ اور ان کی اشاعت کرتے ہیں"

فلنٹن صاحب کا قول ہے کہ :-

"قسطنطین کے زمانہ سے بہت پہلے اکثر عیسائی خراب ہو گئے تھے۔ اور اصول مذہب میں فتور آ گیا تھا۔ مگر بعد ازاں جب اُس نے علمائے مذہب کی بہت قدر کی اور انہیں اعلیٰ اعلیٰ مرتبوں پر پہنچایا تو یہ لوگ دولت کے خواہشمند اور اختیارات ملکی کے شائق ہو گئے اور انہوں نے مذہب عیسوی کو خراب کر دیا"

قسطنطین کے فیصلۂ تثلیث کے باوجود اور باوجود دردناک خونریزیوں کے اریوس اپنے ہی عقیدۂ توحید پر جما رہا۔ اور اپنے عقیدہ کی لوگوں کو تعلیم بھی دیتا رہا۔ اُس کے بعد بھی عرصہ تک یہ تعلیم جاری رہی اور اب بھی عیسائیوں میں یونی ٹیرین فرقہ موجود ہے جو تثلیث کا قائل نہیں الوہیت صرف خدا کے لئے قرار دیتا ہے اور مسیح کو ایک الہام یافتہ انسان سمجھتا ہے ایام گزشتہ میں عیسائیوں میں ایک ابیونی فرقہ تھا۔ جس کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ محض ایک انسان تھے۔ سنہ ۱۵۰ء میں ارٹمن فرقہ پیدا ہوا۔ اس کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ مسیح انسان ہیں۔ سا سینین فرقہ والے بھی مسیح کو صرف انسان یا الہام یافتہ سمجھتے تھے۔

مراتب ثلاثہ عیسائی علماء یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ جس طرح مسیح اقانیم ثلاثہ میں سے ایک اقنوم ہیں اسی طرح اس ایک اقنوم میں بھی تین مرتبے شامل ہیں۔ یعنی نبوت۔ بادشاہت اور کاہنوں کی سرداری۔ مگر انجیل سے سوا مرتبۂ نبوت کے اور کوئی مرتبہ عیسیٰ علیہ السلام میں ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ یوحنا (۱۸ : ۳۶) میں ہے کہ :-

"یسوع نے جواب دیا کہ میری بادشاہت اس جہان کی نہیں اگر میری بادشاہت اس جہان کی ہوتی تو میرے نوکر لڑائی کرتے تاکہ میں یہودیوں کے حوالہ نہ کیا جاتا۔ پر میری بادشاہت یہاں کی نہیں ہے"

کاہن کے عہدہ یا کاہنوں کی سرداری پر آپ کا مقرر نہ ہونا جملہ انجیل و حالات مسیح سے ثابت ہے صرف مرتبۂ نبوت کا ثبوت اناجیل موجودہ میں بھی بکثرت پایا جاتا ہے چنانچہ مسیح علیہ السلام خود اپنی بابت مرقس (۶ : ۴) میں فرماتے ہیں کہ :-

"نبی بے عزت نہیں مگر اپنے وطن میں"

آپ کے اس قسم کے الفاظ جن سے آپ کی نبوت کا آپ ہی کی زبان سے اقرار پایا جاتا ہے متی (۱۳: ۵۷) اور لوقا (۴: ۲۴) اور یوحنا (۴: ۴۴) میں بھی موجود ہیں۔ حواریوں نے قصہ صلیب کے بعد بھی آپ کو نبی ہی کہا۔ (لوقا ۲۴: ۱۹) جب آپ نے ایک بیوہ کے مردہ لڑکے کو زندہ کر دیا تو سب ڈر گئے۔ اور خدا کی تعریف کر کے بولے کہ:-

"بڑا نبی ہم میں اٹھا" (لوقا ۷: ۱۶)

جب آپ نے پانچ ہزار آدمیوں کو پانچ روٹیوں سے سیر کر دیا تو ان لوگوں نے کہا کہ:-

"فی الحقیقت وہ نبی جو جہان میں آنے والا تھا یہی ہے" (یوحنا ۶: ۱۴)

غرضکہ آپ نے خود اپنے آپ کو صرف نبی ہی فرمایا۔ آپ کے حواریوں نے آپ کے اٹھ جانے کے بعد بھی آپ کو نبی ہی جانا۔ اور عوام الناس میں جن جن سے آپ کو سابقہ پڑا۔ اُنہوں نے آپ کو نبی ہی سمجھا۔ جس طرح توحید الٰہی میں اقانیم ثلاثہ ثابت نہیں ہوتے۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام میں مرتبہ نبوت کے ساتھ بادشاہت اور کہانت کا اجتماع بھی ثابت نہیں ہوتا۔

افسانۂ صلیب

عیسائی علما کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام یہودیوں کے ہاتھ گرفتار ہوئے، صلیب پر چڑھائے گئے۔ مرنے کے بعد تین دن تک قبر میں دفن رہے، پھر زندہ ہوئے، حواریوں کو نظر آئے، اور آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ اور صلیب پر مسیح کی یہ قربانی عیسائیوں کے تمام عمر کے گناہوں کا کفارہ ہو گئی۔ مگر اناجیل اربعہ پر تنقیدی نظر ڈالی جائے۔ تو ان میں سے ایک بات بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی، بیانات میں اس قدر اختلافات ہیں کہ افسانۂ صلیب کا کوئی پہلو ثابت نہیں ہوتا۔ روایت و درایت کی رُو سے کوئی بیان تحقیق کی کسوٹی پر قابلِ اعتماد نہیں پایا جاتا۔

سب سے پہلے گرفتاری کے واقعات کو لیجئے۔ اس واقعہ کی صورت میں اختلاف ہے۔ متی (۲۶: ۴۸: ۴۹) میں لکھا ہے کہ مسیح کے حواری یہوداہ اسکریوطی نے اپنے ساتھیوں کو گرفتاری مسیح کے لئے یہ علامت قرار دی تھی کہ جسے میں چوموں اُسے گرفتار کر لینا چنانچہ ایسا ہی عمل میں آیا۔ مگر یوحنا (۱۸: ۴ تا ۸) میں واقعہ اس طرح پر درج ہے کہ عیسیٰ نے خود آگے بڑھ کر دو بار اپنے پکڑنے والوں سے کہا کہ تم جسے ڈھونڈتے ہو یسوع میں ہوں وہ لوگ یہ سُن کر پیچھے ہٹے اور زمین پر گر پڑے آخر کار عیسیٰ علیہ السلام نے خود ہی اپنے آپ کو خوب پہچوا کر اپنے کو گرفتار کرا دیا۔ اور اب ان دو بیانات میں سے ہم کسے سچا سمجھیں؟ لازمی طور پر ان میں سے ایک بیان غلط ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ دونوں بیان غلط ہوں کیونکہ جب کسی کتاب میں غلطیوں کا احتمال ہو جاتا ہے۔ تو ساری کتاب بے اعتبار ہو جاتی ہے۔ خصوصاً وہ کتاب جسے آسمانی یا الہامی ہونے کا دعوےٰ ہو۔

دوسرا اختلاف تعین صلیب بردار میں ہے۔ یوحنا (۱۹: ۱۷) میں ہے کہ یسوع خود اپنی صلیب کو اُٹھا کر لے گئے تھے۔ اور متی (۲۷: ۳۲) اور مرقس (۱۵: ۲۱) اور لوقا (۲۳: ۲۶) میں یہ لکھا ہے کہ مسیح کی صلیب شمعون قرینی سے اٹھوا کر لے گئے تھے۔ علاوہ اس اختلاف کے یہاں ایک اور امر بھی قابل غور ہے۔ آسکاٹ صاحب اپنی تفسیر میں زیر آیت ۳۲ باب ۲۷ متی لکھتے ہیں کہ اس زمانہ کا دستور یہ تھا کہ جس شخص کو صلیب دی جاتی تھی وہ شخص خود ہی اپنی صلیب اٹھا کر لے جاتا تھا۔ قرآنی تعلیم یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ قتل کئے گئے نہ آپ کو صلیب دی گئی۔ بلکہ اس بارہ میں گول گوشہ میں ڈال دیا گیا وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ (۴: ۲۲) عیسائی مصنفین کو اعتراف ہے کہ قبل نزول قرآن بھی عیسائیوں میں چار فرقے ایسے تھے۔ جن کا عقیدہ یہ تھا۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام مصلوب نہ ہوئے تھے بلکہ اُن کی جگہ شمعون قرینی پکڑا گیا اور مصلوب ہوا وہ چار فرقے یہ ہیں:۔ (۱) باسیلیدی (۲) سرنتھی (۳) کاپوکراتی (۴) اگسٹنگ جارج سیل بھی قرآن کے انگریزی

ترجمہ میں سورہ آل عمران کے رکوع ۵ میں وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ کے تحت ان فرقوں کے وجود اور انکے بہت قدیم ہونے اور ان کے متذکرہ بالا عقیدہ کو تسلیم کرتے ہیں اسی سلسلہ میں سیل صاحب اپنے اسی نوٹ میں برناباس کی انجیل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل کرتے ہیں:۔

"اے برناباس میری بات پر یقین کر کہ ہر گناہ کی خواہ وہ کتنا ہی خفیف کیوں نہ ہو خدا بڑی دردناک سزا ضرور دیتا ہے کیونکہ خدا گناہ سے ناراض ہوتا ہے چونکہ میری والدہ اور میرے وفادار شاگردوں کو جو مجھ سے محبت تھی اس میں محبت دنیا کی بھی آمیزش تھی خدائے عادل نے یہی مناسب سمجھا کہ اس جرم کی پاداش میں انہیں اسی دنیا میں رنج دیا جائے تاکہ آخرت میں وہ دوزخ کے شعلوں سے نجات پائیں۔ اور میرا معاملہ یہ ہے کہ اگرچہ میں دنیا میں بے قصور رہا۔ تاہم بعض لوگوں نے مجھے خدا اور خدا کا بیٹا کہا۔ اس لئے مشیت الٰہی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ قیامت کے دن شیاطین میری ہنسی نہ اڑائیں بلکہ اس کی رضا اسی میں ہوئی کہ یہوداہ کی موت کے ذریعہ سے اسی دنیا میں میری جگ ہنسائی ہو جائے۔ اور ہر شخص یہ گمان کرے کہ میں نے صلیب پر جان دی۔ اور یہ ساری ہنسی اور ہتک اس وقت تک رہے کہ محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) اس دنیا میں آئیں اور ہر ایماندار کو اس غلطی سے نکالیں۔"

ممکن ہے کہ اسی نوع کے مضامین کی بنا پر انجیل برناباس کو عیسائیوں نے جعلی قرار دے کر مروجہ مطبوعہ کتب مقدسہ سے خارج کر رکھا ہو مگر اکثر قدیم قلمی نسخوں میں یہ انجیل موجود ہے اور نسخہ سینا میں بھی یہ انجیل موجود ہے یہ وہی نسخہ ہے جسے حال میں انگلستان نے ایک لاکھ پونڈ پر خریدا ہے اور جس کا ذکر اس سے پہلے آ چکا ہے۔ سیل صاحب اپنے نوٹ میں لکھتے ہیں کہ یہ عبارت مسلمانوں نے اس انجیل میں شامل کر دی ہے باوجود اس اتہام کے سیل صاحب نے اس عبارت کو اس قدر اہمیت دی کہ اپنے نوٹ میں اسے بالکلیہ نقل کر دیا اور اپنے اس خیال کی تائید میں نقل کیا کہ نزول قرآن سے بہت

قبل عیسائیوں کی متعدد جماعتیں اس عقیدہ پر قائم تھیں کہ مسیح نہ مصلوب ہوئے نہ قتل ہوئے بالفرض اور غلط بیان کو غلط جان کر کوئی معقول پسند شخص اپنی تائید میں اس بیان کو پیش نہیں کیا کرتا علاوہ بریں جس زمانہ میں انجیل برنباس لکھی گئی اور مشہور ہوئی اور اس کی نقلیں پھیلیں اس زمانہ میں اگر مسلمانوں کا وجود ہی کہاں تھا کہ مندرجہ بالا عبارت کو انجیل میں شامل کر دیتے اگر مسلمانوں نے اپنے وجود میں آنے کے بعد کسی نہ کسی تدبیر سے انجیل میں اس عبارت کو شامل کر دیا تو عیسائی اس الزام کے ثبوت میں کسی ایک ہی قدیم نسخہ انجیل برنباس کو پیش کر دیں جس میں یہ عبارت نہ ہو۔ عیسائی دنیا میں یقیناً متعدد نسخے ایسے ہوں گے۔ جو محض عیسائیوں ہی کی تحویل میں رہے ہوں گے اور جن تک کسی مسلمان کا ہاتھ نہ پہنچا ہو گا۔ اگر ان نسخوں میں بھی یہ عبارت موجود ہے تو مسلمانوں پر یہ اتہام ظلم ہے۔ بفرض محال اس بات کو مان بھی لیا جائے کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے عیسائیوں کی انجیل میں تحریف ہو گئی اور عیسائی اب ایک بھی نسخہ ایسا پیش نہیں کر سکتے۔ جو اس تحریف سے بچا ہو تو اس صورت میں بھی عیسائیوں کی کتابیں غیر محفوظ اور تحریف شدہ اور ناقابل اعتماد ثابت ہوتی ہیں۔

بہر حال صرف ایک انجیل میں یہ لکھا ہے۔ کہ صلیب اٹھا کر لے جانے والے خود مسیح تھے اس کے مقابلہ میں تین انجیلیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ نہیں بلکہ اس صلیب کا اٹھا کر لے جانے والا شمعون قرینی تھا پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ اس زمانہ کا دستور یہی تھا کہ جو صلیب پر لٹکایا جائے وہی صلیب کو خود اٹھا کر لٹکنے کی جگہ لے بھی جائے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قدما کی چار جماعتیں یہ کہتی ہیں کہ مصلوب ہونے والا شمعون قرینی تھا نہ کہ مسیح علیہ السلام مزید برآں حضرت مسیح کے قول مندرجہ انجیل برنباس پر بھی نظر ڈالی جائے اس کے بعد منصف مزاج حضرات خود ہی فیصلہ فرمالیں کہ افسانہ صلیب میں صداقت کو کس حد تک دخل ہے۔

تیسرا اختلاف صلیب دیئے جانے کے وقت سے متعلق ہے مرقس (۱۵:۲۵) میں ہے کہ تیسرا گھنٹہ تھا جبکہ انہوں نے اسے صلیب دی یعنی صبح کے نو (۹) بجے تھے اور یوحنا (۱۹:۱۴) میں ہے کہ چھٹے

گھنٹے کے قریب سولی دی گئی جس کے معنی یا تو یہ ہو سکتے ہیں کہ چھ (۶) بجے صبح سولی ملی یا چھ (۶) گھنٹے دن چڑھے یعنی ۱۲ بجے دوپہر کو متی (۲۷: ۴۶) سے نویں (۹) گھنٹے تک یسوع کا زندہ رہنا پایا جاتا ہے۔ اور اس وقت ان کا بڑے شور سے چلا کر یہ کہنا بیان کیا جاتا ہے کہ:- "ایلی ایلی لما سبقتانی" یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے کیوں مجھے چھوڑ دیا۔ لاطینی زبان کی ایک کتاب سیلیس انالس کرونالاجیکا کے باب ۸ صفحہ ۲۰۹ پر لکھا ہے کہ صبح کے وقت شام کے وقت انہوں نے اُسے صلیب پر لٹکایا اتنا اہم واقعہ اور اس میں اس درجہ اختلاف متذکرہ بالا جملہ واقعات مذکورہ کی بے اعتباری پر دلالت کرتا ہے۔

چوتھا اختلاف ان دو چوروں کی بابت ہے۔ جو مسیح کے ساتھ صلیب پر دائیں بائیں لٹکائے گئے تھے متی (۲۷: ۴۴) کا بیان ہے کہ دونوں چور مسیح کو بُرا کہہ رہے تھے مگر لوقا (۲۳: ۳۹ تا ۴۳) کا بیان ہے کہ صرف ایک ہی چور آپ کو بُرا کہتا تھا اور دوسرا چور آپ کی تعریف کرتا تھا بعض مفسرین نے ان ہی اختلافات کے دُور کرنے کی کوشش کی ہے مگر نتیجہ تشفی بخش نہ نکل سکا بشلا اسکاٹ صاحب نے اپنی طرف سے ترتیب زمانی وضع کر کے بیانات مختلفہ کو آگے پیچھے اس طرح بیان کر دیا کہ پہلے دونوں چور آپ کو برا کہتے تھے۔ پھر ایک نے بُرا کہنے سے توبہ کی اور اچھا کہنا شروع کر دیا۔ اس تطبیق بلا دلیل سے کسی کی بھی تشفی نہیں ہو سکتی۔ اس صورت سے تو تمام متضاد و متناقض امور میں تطبیق باہمی دی جا سکتی ہے اور صدق و کذب کا امتیاز ہی اُٹھ جاتا ہے۔

پانچواں اختلاف اس کتبہ کی عبارت میں ہے جو مسیح کی صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ یوحنا (۱۹: ۱۹) میں یہ عبارت درج ہے "یسوع ناصری یہودیوں کا بادشاہ" متی (۲۷: ۳۷) کی عبارت ہے کہ "یہ یسوع یہودیوں کا بادشاہ ہے" ناصری کا لفظ یہاں درج نہیں مرقس (۱۵: ۲۶) اور لوقا (۲۳: ۳۸) میں کتبہ کی عبارت یہ بیان کی گئی ہے کہ:- "یہودیوں کا بادشاہ ہے" یعنی یہاں نہ یسوع کا لفظ ہے نہ ناصری کا۔

چھٹا اختلاف اس میں ہے کہ مسیح کو صلیب پر چڑھتے اور جان دیتے کس کس نے دیکھا متی (۲۶ : ۵۶) میں لکھا ہے کہ جب مسیح گرفتار ہوئے اُسی وقت "سب شاگرد اُسے چھوڑ کر بھاگ گئے" تو ظاہر ہے کہ مصلوبی کے وقت شاگردوں میں سے ایک بھی مسیح کے پاس نہ تھا۔ مرقس (۱۴ : ۵۱) سے بھی اسی بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ لوقا (۲۳ : ۴۹) میں لکھا ہے کہ عورتیں وغیرہ مسیح کے صلیب پانے کے وقت دُور سے کھڑی ہو کر سارا حال دیکھ رہی تھیں مگر یوحنّا (۱۹ : ۲۵) میں لکھا ہے کہ یہ سب لوگ اور عورتیں صلیب کے پاس کھڑی تھیں اور اتنے قریب تھے کہ مسیح نے اپنی والدہ کو اپنے ایک شاگرد کے سپرد فرمایا اور فرمایا کہ دیکھ یہ تیری ماں ہے۔ ان بیانات میں کس قدر اختلاف ہے؟

متی (۲۷ : ۵۰ تا ۵۵) میں مسیح کے جان بحق تسلیم ہوتے وقت کا منظر یوں کھینچا گیا ہے کہ ہیکل کا پردہ پھٹ گیا اور زمین کانپی اور پتھر تڑخ گئے اور قبریں کھُل گئیں اور مُردے نکل پڑے اور زندہ ہو گئے متی ہی کا یہ قول ہے کہ مسیح کی گرفتاری کے وقت سب شاگرد مسیح کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے پھر یہ دیکھا کس نے کہ ہیکل کا پردہ پھٹ گیا اور زمین کانپی اور مُردے قبروں میں سے نکل کر زندہ ہو گئے اور اندھیرا چھا گیا؟ کیا دشمنانِ مسیح کی شہادت پر یہ سارے واقعات درج انجیل کر دیے گئے؟ اگر انجیل یوحنّا کے مطابق یوحنّا اُس وقت حاضر تھا تو یوحنّا نے تو ان باتوں کا ذکر ہی نہیں کیا۔ پھر متی نے یہ جملہ عجائبات کہاں سے دیکھ لیے؟ ایک طرف متی لکھتے ہیں کہ قبروں میں سے مردے نکل کھڑے ہوئے اور زندہ ہو گئے۔ دوسری طرف ایوب (۷ : ۹ : ۱۰) میں لکھا ہے کہ جو قبر میں جاتا ہے وہ پھر قیامت تک واپس نہیں آتا۔ اب ان دونوں میں سے اگر ایک بات صحیح ہے تو دوسری یقیناً غلط ہے اور دونوں میں سے ایک قول کی بھی غلطی موجودہ بائیبل پر سے اعتبار اُٹھا دینے کے لئے کافی ہے اور جب بائیبل ہی سے اعتبار اُٹھ گیا تو محتاط لوگوں کے نزدیک اُس کا ہر بیان جس کی کہیں خارج سے تائید نہ ہو مشکوک ہے

ساتواں اختلاف ان لوگوں کی بابت ہے۔ جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اُنھوں نے

مسیح کو مرکر دوبارہ زندہ ہوتے دیکھا۔ قرنتیوں کے (۱۵: ۵ و ۶) میں پولوس لکھتے ہیں کہ مسیح کا دوبارہ زندہ ہونا بارہ حواریوں نے دیکھا پھر اس کے بعد "پانچ سو بھائیوں سے زیادہ تھے جنہیں وہ ایک بار دکھائی دیا" اول تو بارہ حواریوں کی تعداد ہی غلط ہے زمانہ مسیح میں صرف گیارہ (۱۱) ہی حواری تھے۔ بارہواں حواری مسیح کے آسمان پر جانے کے بعد بذریعہ قرعہ اندازی کے منتخب ہوا ہے جس کی تفصیل کتاب اعمال کے باب اول میں درج ہے پھر اناجیل اربعہ متفق ہیں کہ سوا گیارہ حواریوں کے کسی نے مسیح کو دوبارہ زندہ نہیں دیکھا۔ اعمال (۱۰: ۴۰ و ۴۱) میں بھی صاف لکھا ہے کہ :-

اس کو (یعنی مسیح کو) خدا نے تیسرے دن اٹھایا اور ظاہر کر دکھایا ساری قوم پر نہیں بلکہ ان گواہوں پر کہ آگے سے خدا کے چنے ہوئے تھے یعنی ہم پر" پھر پولوس نے یہ کہاں سے کہہ دیا کہ ۵۰۰ پانچسو بھائیوں سے زیادہ تھے جنہیں وہ ایک بار دکھائی دیا۔ اعمال (۱: ۱۵) کی رُو سے شاگردوں کی تعداد ایک سو بیس (۱۲۰) سے زائد نہ تھی۔ یہ تعداد عروج مسیح سے بعد کی ہے نہ کہ وقوع صلیب سے قبل کی قبل کی تعداد اس سے بھی کم ہو گی۔ پولوس کے یہ پانچسو سے زائد بھائی کہاں سے پیدا ہو گئے۔ جنہوں نے مسیح کی حیات ثانی کا مشاہدہ کر لیا۔ کیا متی اور یوحنا اور پطرس وغیرہم جو مسیح کے مقرب حواری تھے پولوس کے پانچ سو بھائیوں میں شامل نہ تھے کہ یہ بھی اپنی تصانیف میں کچھ اس کا ذکر کرتے بقول مسیحی علماء کے لوقا اور مرقس نے پولوس اور پطرس ہی کی تعلیم سے اپنی اپنی انجیلیں لکھیں مگر ان دونوں نے بھی یہ بات کہیں نہ لکھی۔ لوقا نے خاص طور پر پولوس ہی سے پوچھ پوچھ کر مسیح کا حال لکھا مگر باوجود اس کے یہی لکھا کہ صرف گیارہ حواریوں ہی نے مسیح کی حیات ثانی کا مشاہدہ کیا اس نے نہ بارہ حواریوں کا ذکر کیا نہ پانچسو سے زائد بھائیوں کا۔

اب جنہیں اس حیات ثانی کا مشاہدہ ہوا ان کی بابت بھی مختلف بیانیاں ذرا ملاحظہ ہوں۔

یوحنا (۲۰: ۱۴) میں لکھا ہے کہ مریم مگدلینی نے مسیح کو مصلوبی کے تیسرے دن دیکھا مگر

نہ پہچانا۔ لوقا (۲۴: ۴ و ۵ و ۶) میں لکھا ہے کہ مریم مگدلینی نے فرشتوں سے یسوع کے جی اُٹھنے کا حال سُن کر شاگردوں کو خبر دی تھی مگر یوحنا (۲۰: ۱ و ۲ و ۱۴) سے ظاہر ہوتا ہے کہ مریم مگدلینی کو مسیح کے جی اُٹھنے کی خبر نہ تھی اور جب تک کہ مسیح کو مرنے کے بعد زندہ نہ دیکھا یہی سمجھا تھا کہ مسیح کی نعش کو کوئی قبر سے نکال کر لے گیا ہے اور جب مسیح کو دیکھا بھی تو انہیں نہ پہچانا بلکہ یہی سمجھا کہ کوئی باغبان ہے مرقس (۱۶: ۹) میں ہے کہ یسوع قبر سے جی اُٹھنے کے بعد پہلے مریم مگدلینی کو دکھائی دیے۔ لوقا (۲۴: ۱۳ و ۳۴) میں ہے کہ پہلے دو مردوں کو پھر شمعون کو دکھائی دیا۔ متی (۲۸: ۹) میں ہے کہ مریم نے یسوع کو دیکھ کر ان کے قدم پکڑے مگر یوحنا (۲۰: ۱۷) میں ہے کہ یسوع نے کہا کہ مجھ کو مت چھوؤ۔ کیونکہ میں ہنوز اوپر اپنے باپ کے پاس ابھی نہیں گیا۔ پھر یوحنا (۲۰: ۱۲) میں ہے کہ مریم نے دو فرشتے یسوع کی قبر میں بیٹھے دیکھے۔ لوقا (۲۴: ۴) میں ہے کہ دو شخص اپنے پاس کھڑے دیکھے مرقس (۱۶: ۵) میں ہے کہ ایک جوان کو سفید پوشاک پہنے ہوئے قبر میں بیٹھے دیکھا۔ متی (۲۸: ۲) میں ہے۔ کہ ایک فرشتے کو قبر کے باہر پتھر پر بیٹھے دیکھا اب خیال فرمایئے کہ ایک ہی واقعہ کو چار انجیلوں میں چار مختلف صورتوں میں بیان کیا گیا ہے بیانات میں اختلافات کی اس سے زیادہ بین مثال اور کیا ہو سکتی ہے؟

پھر مرقس باب ۱۶ اور لوقا باب ۲۴ میں جو لکھا ہے کہ عورتیں تیسرے دن خوشبو لیکر قبر پر گئیں کہ یسوع کی نعش پر وہ خوشبو ملیں یہ صریحاً غلط ہے کیونکہ بقول اناجیل ہی کے قبر پر ایک بھاری پتھر رکھا گیا تھا اور اس پتھر پر مُہر لگوا دی گئی تھی۔ اور رومی سپاہیوں کا وہاں بہت سخت پہرا بٹھا دیا گیا تھا۔ اس پہرہ کا باعث یہ تھا کہ یہودیوں کو پہلے سے اس بات کا خوف تھا کہ ایسا نہ ہو کہ عیسائی لوگ مسیح کی نعش کو قبر میں سے چوری سے نکال لے جائیں اور مشہور کر دیں کہ مسیح دوبارہ زندہ ہو گیا تو اس صورت میں یہ فتنہ پہلے فتنے سے شدید تر ثابت ہو گا۔ چنانچہ بعد میں عیسائیوں نے جب مسیح کا پھر زندہ ہو جانا بیان کیا۔ وہ یہودیوں میں اس مصلوب کی نعش کا چوری ہو جانا مشہور رہے جس کی تائید متی (۲۸: ۱۳ و ۱۴ و ۱۵)

سے بھی پوری طرح ہوتی ہے اور رومی سپاہیوں کا پہرہ بہت سخت ہوتا تھا۔ اسکاٹ صاحب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ رومی فوج میں یہ قانون تھا کہ جو سپاہی اپنے پہرے پر سو جائے وہ قتل کر دیا جائے۔ ایسے سخت پہرے کے ہوتے ہوئے وہ عورتیں کیا دیوانی تھیں جو خوشبو لے کر مصلوب کی قبر پر جا پہنچیں اگر یہ سمجھا جائے کہ انہیں مسیح کے جی اُٹھنے کا یقین تھا۔ تو اوّل تو یہ بات کسی انجیل سے ثابت نہیں ہوتی دوم ایسی صورت میں قبر پر جانے کی کیا ضرورت تھی زندہ شخص کو اب قبر سے کیا تعلق۔ سوم ان عورتوں نے پھر یہ کیوں کہا کہ :- "ہمارے لئے پتھر کو قبر کے دروازے پر سے کون ڈھلکائے گا"

متی (۲۷ : ۳ : ۶۳) میں جو یہ قول مسیح سے منسوب کیا گیا ہے کہ میں تین دن زمین کے نیچے رہونگا وہ قول اگر صحیح ہے تو ممکن ہے کہ اس سے اس جانب اشارہ ہو کہ عیسٰی علیہ السلام نے زمین پر تین برس نبوت کا کام کیا اور اس کے بعد اُٹھا لئے گئے۔ کیونکہ حزقی ایل (۴ : ۶) کی رو سے نبیوں کے ایک دن سے ایک سال مراد ہوتی ہے۔ ڈاکٹر جان ملکڈول بھی اپنی کتاب تعلیم الایمان مطبوعہ امریکن مشن لدھیانہ ۱۸۶۹ء کے صفحہ ۱۳۰ پر لکھتے ہیں کہ :- "اکثر عالموں نے کلام الٰہی کی تفسیر میں ایک دن کو ایک برس تصور کیا ہے اور قدیم یہودی اور سب مسیحی عالم بھی اسی شمار میں متفق ہیں" اگر قول مسیح سے مندرجہ بالا معنی نہ سمجھے جائیں بلکہ یہ معنی لئے جائیں کہ آپ تین دن قبر میں رہ کر اُٹھ کھڑے ہوں گے تو یہ قول غلط ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ اناجیل کی رو سے آپ صرف ایک دن اور دو رات قبر میں رہے۔

جب صلیب ہی کا افسانہ غلط ہے تو مر کر زندہ ہو جانے کا قصہ تو اور بھی غلط ہونا چاہئے۔ افسانہ صلیب کی تردید اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے۔ کہ استثنا (۲۱ : ۲۳) میں لکھا ہے کہ جو لکڑی پر لٹکایا جاتا ہے یعنی جو سولی دیا جاتا ہے وہ خدا کا ملعون ہوتا ہے اگر یہ آیت صحیح ہے تو اللہ تعالٰے نے ضرور اپنے پیارے اور برگزیدہ بندے عیسٰی علیہ السلام کو اس لعنت سے دور اور صلیب پانے سے محفوظ رکھا ہوگا۔ اس کے خلاف اناجیل میں جس قدر واقعات درج ہوں وہ سب یقیناً غلط اور الحاقی ہیں

اور ان میں اس قدر اختلافات ہیں کہ وہ سب بیانات پایۂ اعتبار سے گر جاتے ہیں۔

قربانی اور کفارہ اگر عیسائی عقیدہ کے مطابق تھوڑی دیر کے لئے اس بات کو مان بھی لیا جائے کہ مسیح نے صلیب پائی تو تفتیش طلب مسئلہ یہ باقی رہتا ہے کہ یہ مصلوبی قربانی کیونکر ہوگئی اور اس قربانی کی ضرورت کیا پیش آئی تھی اور یہ دوسروں کے لئے کفارہ کس حد تک ثابت ہو سکتی ہے۔

اول تو وہ تخیل ہی غلط ہے جس پر قربانی اور کفارہ کے اس عقیدہ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ یہ بات عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے کہ آدم علیہ السلام کے گناہ میں جملہ بنی آدم شریک ہیں آدم سے ایک گناہ ہوا تھا جس کی انہیں دو سزائیں مل چکیں ایک بہشت سے خراج دوسری موت (پیدائش ۳ رومیون ۵: ۱۲ تا ۱۹) اول قرنتیون ۱۵: ۲۱) جب ایک گناہ کی دو سزائیں مل چکی ہیں تو وہ گناہ اب باقی کہاں رہا جو اولاد آدم سینکڑوں ہزاروں پشت تک اس ناکردہ گناہ کی سزائیں مبتلا رہے اگر خروج (۲۰: ۵) کا سہارا ڈھونڈا جائے جس کا مضمون یہ ہے کہ باپ دادا کی بدکاریوں کا بدلہ اولاد سے تیسری اور چوتھی پشت تک لیا جاتا ہے۔ یا استثناء (۲۳: ۲) سے مدد لی جائے جس میں لکھا ہے کہ حرامی بچہ اور اس کی دس پشتیں خداوند کی جماعت میں داخل نہیں ہو سکتیں تب بھی مطلب برآری نہیں ہو سکتی کیونکہ آدم علیہ السلام کی سینکڑوں ہزاروں پشتیں گزر چکی ہیں۔ یہ خیال بھی غلط ہے کہ موت گناہ کا نتیجہ ہے پرندوں اور جانوروں نے حضرت آدم کی طرح کس نیکی و بدی کی شناخت کے درخت کا پھل کھایا تھا۔ جو وہ اور ان کے بچے بھی مرتے ہیں حالانکہ سانپ آدم کے اس گناہ کا باعث ہوا تھا مگر اس کے بچے ہزاروں برس تک زندہ رہتے ہیں پھر مسیح کی قربانی اگر کفارہ بن گئی تو مسیح پر ایمان لانے والوں کے لئے چاہئے تھا کہ موت نہ ہوتی۔ مگر تعجب ہے کہ وہ بھی اسی طرح مرتے ہیں جس طرح مسیح پر ایمان نہ لانے والے آدم کے اس گناہ میں حوا بھی شریک تھیں بلکہ حوا ہی نے آدم کو اس گناہ پر ابھارا تھا۔ چنانچہ پیدائش (۳: ۱۶) کی رو سے حوا کو یہ سزا سنائی

گئی۔ کہ بچہ پیدا ہوتے وقت عورت دردِ زہ میں مبتلا ہو گی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائی عورتیں آج بھی دردِ زہ میں مبتلا ہوتی ہیں اور ان کا مسیح اور مسیح کی قربانی پر ایمان انہیں اس درد کی تکلیف سے نجات نہیں دیتا۔ کفارہ کا فائدہ تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ مسیح پر ایمان لانے والے موت سے نجات پاتے۔ اور ایمان لاتے ہی فوراً بغیر مرے بہشت میں داخل ہو جاتے مگر ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ لوگوں نے مسیح پر ایمان لانے کے بعد بھی ایسی ایسی تکلیفیں اُٹھائی ہیں جو موت سے بھی شدید تر تھیں عیسائیوں میں ایسے فرقے بھی گزرے ہیں جو اس عقیدہ کو لغو سمجھتے ہیں اور لوگوں کو آدم کی نسل میں ہونے کی بنا پر ناپاک اور گنہگار نہیں تسلیم کرتے اور موت انسانی کو آدم کے گناہ کی سزا نہیں قرار دیتے۔

دوسرا امر قابلِ غور یہ ہے کہ ایک طرف تو بائیبل میں یہ لکھا ہے کہ:۔ "وہ جو جان کے لئے کفارہ دیتا ہے سو لہو ہے" (احبار ۱۷: ۱۱) یعنی قربانی کے خون کے بغیر گناہوں کا کفارہ نہیں ہوتا" بغیر لہو بہائے معافی نہیں ہوتی" (عبرانیوں ۹: ۲۲) وہ (یعنی مسیح) ایک بار ظاہر ہوا کہ اپنے تئیں قربانی کرنے سے گناہ کو نیست کرے"۔ (عبرانیوں ۹: ۲۶) اور لہو بہانے کی تفسیر علمائے نصاریٰ یہ کرتے ہیں کہ اس قدر خون بہایا جائے کہ موت واقع ہو جائے یعنی ایک طرف تو بائیبل میں اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ بغیر قربانی کا خون بہائے گناہوں کا کفارہ نہیں ہو سکتا اور نجات کی کوئی دوسری تدبیر ممکن نہیں اور مسیح مصلوب نہ ہوئے ہوتے تو جہان میں کوئی نجات نہ پاتا۔ اور خدا کا عدل اور رحم پورا نہ ہوتا اور دوسری طرف اسی بائیبل میں ایسی مثالیں بھی پائی جاتی ہیں کہ صلیب کا قصہ پیش آنے سے قبل بغیر اس کے کہ کوئی قربانی عمل میں آئی ہو یا خون کی ایک بوند بھی زمین پر ٹپکی ہو مسیح نے محض اپنے اختیار سے لوگوں کے گناہ معاف کر دیئے متی (۹: ۲ تا ۶) میں وہ واقعہ درج ہے جبکہ مسیح نے اپنی مصلوبی سے بہت پہلے ایک مفلوج کے گناہ بخش دیئے تھے اور کہا تھا کہ:۔ "ابن آدم (یعنی مسیح) کو زمین پر گناہ بخش دینے کا اختیار ہے"۔ لوقا (۷: ۴۸) میں ہے کہ مسیح

نے ایک عورت کے بھی گناہ بخش دیئے تھے حالانکہ قصہ صلیب ابھی پیش نہ آیا تھا۔ یوحنا (۸: ۱تا۱۱) میں ہے کہ مسیح نے ایک زانیہ عورت کو بھی معاف کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ جا اور پھر گناہ نہ کرنا لوقا (۱۹: ۹) میں ہے کہ محصول لینے والوں کے سردار اور متمول زکی کو بھی نجات کی بشارت دیدی گئی تھی۔ لوقا (۲۳: ۴۳) میں ہے کہ صلیب پر (یعنی ابھی قربانی پوری بھی نہ ہونے پائی تھی کہ) مسیح نے ایک چور کے گناہ بخش دیئے تھے متی (۲۰: ۱۵) میں مسیح کا یہ قول درج ہے کہ :- کیا روا نہیں کہ میں اپنے مال میں سے جو چاہوں سو کروں" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم تو اپنی امت کو یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اس کے بندے اس کی ملکیت ہیں وہ اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کر سکتا ہے اور وہ اپنے بندوں کے گناہ معاف کرنے میں کسی قربانی یا کفارے یا کسی اور چیز کا محتاج نہیں اور مندرجہ بالا مثالوں سے اگر وہ صحیح ہیں تو یہ پایا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے یہ اختیار مل گیا تھا کہ وہ جس کے چاہیں گناہ معاف کر دیں بغیر اس کے کہ کوئی قربانی کی گئی ہو یا کفارہ ادا کیا گیا ہو پھر مصلوبی اور کفارہ کی حاجت ہی کیا رہی؟

گناہوں کی بخشش نے عیسائیوں میں وہ وسعت اختیار کر رکھی ہے کہ صرف مسیح ہی نہیں بلکہ مسیح کے شاگردوں کو بھی جنت اور دوزخ کی چابی عطا فرما دی گئی تھی حالانکہ ان شاگردوں میں سے ایک بھی مصلوب نہ ہوا تھا یوحنا (۲۰: ۲۳) میں لکھا ہے کہ مسیح نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ "جن کے گناہ تم بخشو گے ان کے گناہ بخشے جائیں گے اور جنہیں تم نہ بخشو گے نہ بخشے جائیں گے"۔ یوحنا کی رو سے یہ اجازت حواریوں کو مصلوبی کے بعد مسیح کی حیات ثانی میں عطا ہوئی مگر متی (۱۶: ۱۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ مصلوبی سے بہت دن قبل جنت دوزخ کا یہ اختیار حواریوں کو مل چکا تھا چنانچہ پاپائے روم نے ورثہ میں اس اختیار پر چنگل مارا اور گناہوں کی معافی کی چٹھیاں یروشلم پر لڑنے والے عیسائیوں کو سینکڑوں برس تک تقسیم کیں۔

نہ صرف حواریوں اور ان کے جانشینوں بلکہ ہر عیسائی مرد اور عورت کو اپنی گنہ گار زوجہ یا اپنے گنہ گار شوہر کو دوزخ سے بچا لینے کا مرتبہ حاصل ہے (اول قرنتیون ۷: ۱۶) بلکہ عیسائیوں میں کا ہر فرد تنہا اپنی نجات کی

آپ ہی تدبیر کر سکتا ہے (لوقا ۱۰: ۲۵ تا ۳۸ متی ۱۰:۲۲) ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے حضرت عیسیٰ کی مصلوبی اور کفارہ کی قطعی کوئی حاجت نہ تھی۔

تیسرا امر قابلِ غور یہ ہے کہ مسیح کی یہ قربانی مسیح پر ایمان لانے والے کے لئے اس کے تمام عمر کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے یا صرف ایمان لانے کے وقت تک کے گناہ ہی معاف ہوتے ہیں؟ اگر تمام عمر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو پھر دین کی پابندی اور عبادت و ریاضت اور یوم السبت کے احترام کی ضرورت ہی نہیں رہتی اور وہ جا بجا پند و نصائح و اوامر و نواہی جن سے کتب مقدسہ پُر ہیں لایعنی اور بیکار ہو جاتی ہیں اگر ایمان لانے سے قبل ہی گناہ معاف ہوتے ہیں تو ایمان لانے سے بعد کے گناہوں کے کفارہ کے لئے اسے دوسری قربانی کرنی پڑے گی۔ اور جب وہ بعد کے گناہوں کو قربانی سے دور کر دیتا ہے تو پہلے کے گناہوں کو بھی خود ہی قربانی سے دور کر سکتا تھا قربانی مسیح کی کیا ضرورت تھی؟ مگر عبرانیوں کے باب ۱۰ آیہ ۲۶ میں یہ عبارت بھی درج ہے کہ:

"بعد اس کے کہ ہم نے سچائی کی پہچان حاصل کی ہے جان بوجھ کے گناہ کریں تو پھر گناہوں کے لئے کوئی قربانی باقی نہیں۔"

بہت کم عیسائی ایسے ہوں گے جو عیسائی ہونے کے بعد کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوئے ہوں مندرجہ بالا آیت کی رو سے افسوس ہے کہ اُن کے ان گناہوں کی معافی کی کوئی صورت نہیں۔ ان سے کافر ہی اچھے جو مسیح پر ایمان لاتے ہی گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں ان عیسائیوں کے گناہ تو مسیح پر ایمان لانے سے بھی دور نہیں ہوتے۔ اور کسی دوسری قربانی سے بھی ان گناہوں کا کفارہ ادا نہیں ہو سکتا۔

چوتھا امر قابلِ توجہ یہ ہے کہ قربانی ہمیشہ عمدہ نفیس، بے عیب اور طیب کی دی جاتی ہے عیسائی عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ میں کمالِ الوہیت اور کمالِ انسانیت دونوں کا اجتماع تھا الوہیت کی حیثیت کو تو قربانی سے کوئی تعلق ہی نہیں ہو سکتا۔ اور وہ الوہیت ہی کیا ہے جو قربان ہو سکے چونکہ کفارہ انسانی گناہوں کا مقصود تھا۔ اس لئے قربانی انسان ہی کی ہو سکتی تھی اور مسیح صرف انسان کامل ہونے کی حیثیت ہی سے صلیب پر چڑھے

او قربان ہو گئے۔ مگر عیسائی عقیدہ ہی کے رو سے مسیح بحیثیت انسان ہونے کے بے عیب نہ تھے اور (نعوذ باللہ) گناہ سے پاک نہ تھے۔ رومیون (۳: ۹ تا ۱۲) کا فتویٰ ہے کہ آدم کی اولاد میں کوئی بے گناہ نہیں کوئی راستباز نہیں، کوئی سمجھدار نہیں، کوئی خدا کا طالب نہیں سب گمراہ ہو گئے ہیں اور بدکار ہیں ایوب (۲۵: ۴) کا فیصلہ ہے کہ :- "وہ جو عورت سے پیدا ہوا ہے کیونکر پاک ٹھیرے۔" چنانچہ مسیح نے یوحنا اصطباغی (یعنی جان دی بپٹسٹ) سے بپتسمہ لیا اور یوحنا صرف توبہ ہی کا بپتسمہ دیتے تھے اور توبہ گناہوں سے ہوتی ہے، (متی باب ۳ مرقس باب ۱) لہٰذا مسیحیوں کے ان اقوال کے بموجب قربانی مسیح بے داغ نہ تھی۔ یہاں صرف مسیحی اقوال ہی سے بحث ہے ورنہ مسلمان تو عیسیٰ علیہ السلام اور تمام دیگر انبیاء کو معصوم قرار دیتے ہیں اور ان گستاخیوں سے لرزتے ہیں جو بعض عیسائی عقائد اور عیسائی تحریروں سے جناب مسیح اور دیگر انبیا کی شان میں واقع ہوتی ہیں۔

پانچویں بات جو غور طلب ہے یہ ہے کہ عیسائی عقیدہ کے بموجب عیسیٰ علیہ السلام صلیب پانے کے بعد جب جی اُٹھے تھے تو انسانیت کے ساتھ آسمان پر گئے۔ کیونکہ مصلوبی کے بعد اگر عیسیٰ علیہ السلام کی انسانیت مفقود ہو گئی یا اُس انسانیت نے دوبارہ عود نہ کیا تو جی اُٹھنے کے نہ کوئی معنی ہیں نہ جی اُٹھنے کا ثبوت۔ الوہیت تو ماورائے موت و حیات ہے مرنے جینے کا اطلاق انسان پر ہوتا ہے مخلوق پر ہوتا ہے عیسیٰ علیہ السلام اپنی اسی انسانیت کے ساتھ جس سے آپ اس دنیا میں متصف تھے اور اپنے اسی انسانی جسم کے ساتھ جس سے اس دنیا میں آپ نے زندگی بسر فرمائی آسمان پر نہ گئے ہوتے تو آسمان پر جانے کی فضیلت ہی کیا تھی یوں تو ہر شخص مرتا ہے اور اُس کی روح آسمان پر جاتی ہے مگر یہاں فضیلت تو اس میں تھی کہ حضرت الیاس اور حضرت حنوک (یعنی ادریس) کی طرح حضرت عیسیٰ بھی دنیوی انسانی جسم کے ساتھ آسمان پر اُٹھائے گئے مصلوبی کے بعد خود مسیح نے لوگوں کو اپنا جسم دکھلایا لوقا (۲۴: ۳۷ تا ۴۳) کی مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو جو مصلوبی کے بعد کے زمانہ سے متعلق ہے :-

مگر اس نے یعنی مسیح نے ان سے کہا کہ تم کیوں گھبراتے ہو اور کاہے کو تمہارے دلوں میں اندیشے پیدا ہوتے ہیں۔ میرے ہاتھ پاؤں دیکھو کہ میں ہی ہوں، اور مجھے چھوؤ اور دیکھو کیونکہ روح کو جسم اور ہڈی نہیں جیسا مجھ میں دیکھتے ہو اور یہ کہہ کے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے اور جب وے مارے خوشی کے اعتبار نہ کرتے تھے اور متعجب تھے تو اس نے ان سے کہا کہ کیا یہاں تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ تب اُنہوں نے بھونی ہوئی مچھلی کا ایک ٹکڑا اور شہد کا ایک چھتّا اس کو دیا۔ اس نے لے کے اُن کے سامنے کھایا۔"

اسی نوع کی گفتگو مصلوبی کے بعد مسیح اور توما میں بھی یوحنا (۲۰:۲۷) میں درج ہے تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مسیح کی انسانیت برقرار ہے اور اُن کا دنیاوی جسم قائم و محفوظ ہے تو سولی پر کون چڑھا اور قربان کون ہوا اور قربانی میں نذر کیا چیز ہوئی اور انسانی گناہوں کا کفارہ کیونکر ادا ہو سکا؟ وہ نذر یہ بھی فدیہ ہے جو واپس کر دیا گیا ہو؟ وہ قربانی بھی قربانی ہے جو قبول نہ کی گئی اور جسم کو اور جان کو واپس کر دیا گیا؟ اور ایسی نامقبول قربانی جو رد کر دی گئی ہو کیا انسانی گناہوں کا کفارہ ہو سکتی ہے جبکہ قربانی کی شرط یہ ہو کہ اس قدر خون بہایا جائے کہ موت واقع ہو جائے؟ بات دراصل یہ ہے کہ اناجیل مروجہ سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی اور جب آپ کو سولی ہی نہیں دی گئی تو مر کر جی اُٹھنے کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا اور قربانی اور کفارہ کے تخیلات بھی ہوا میں اڑ جاتے ہیں۔

باوجود جملہ امور مندرجہ بالا کے عیسائی حضرات اسی پر مصر ہوں کہ مصلوبیٔ مسیح کو ثابت کر کے اس قربانی کو اپنے گناہوں کا کفارہ قرار دیں تو انہیں معاملہ کے ذرا اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ عام قاعدہ یہ ہے کہ قربانی کا فائدہ قربانی گزراننے والے کو ملتا ہے اس قاعدہ کی رُو سے قربانی مسیح کا فائدہ صرف یہوداہ اسکریوطی ہی کو پہنچتا ہے جس نے یہ بیش قیمت قربانی گزرانی نہ کہ اُن عیسائیوں کو جو صرف باتیں بناتے رہتے ہیں جب تک ہر عیسائی مسیح کے گرفتار کرا دینے میں اپنی شرکت ثابت نہ کر دے اس قربانی کے مفاد میں حصہ دار کیونکر ہو سکتا ہے اور اگر مسیح کو صرف ایک ہی شخص

یعنی یہوداہ اسکریوطی نے گرفتار کرایا اور اس گرفتاری اور قربانی سے لاکھوں کروڑوں عیسائیوں نے فائدہ اُٹھایا اور دوزخ سے نجات پائی اور جنت کے مستحق ٹھیرے تو یہوداہ اسکریوطی نے بہت بڑا کام کیا اور بہت بڑا ثواب کمایا اور بہت اچھا آدمی اُسے سمجھنا چاہیئے اور تمام عیسائیوں کو اس کا شکرگزار ہونا چاہیئے اور کم از کم اس کے ذاتی گناہ تو اسی کی گزرانی ہوئی قربانی کے طفیل میں معاف ہو ہی جانے چاہئیں مگر تعجب ہے کہ متی (۲۶ : ۲۴) میں مسیح اسی یہوداہ اسکریوطی کی بابت فرماتے ہیں کہ:۔ "اس شخص پر افسوس جس کے ہاتھوں ابن آدم گرفتار کروایا جاتا ہے اگر وہ شخص پیدا نہ ہوتا تو اس کے لئے بہتر تھا!" گویا اپنی اُمت کے لئے یہ قربانی یہ کفارہ اور گناہوں کی بخشش عام جناب مسیح کو بہت ناگوار گزری اور آپ نے اس قربانی گزراننے والے کے اس دنیا ہی میں ہونے پر تاسف فرمایا پھر یوحنا (۶ : ۷۰) میں جناب مسیح یہوداہ اسکریوطی کو شیطان کے لقب سے ملقب فرماتے ہیں عجائبات قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ایک حیرت میں ڈالنے والی نشانی ہے کہ اس شیطان نے بہشت کا دروازہ ساری خلقت کے لئے کھول دیا ایک شیطان آدم علیہ السلام کے بہشت سے نکالے جانے کا باعث ہوا۔ دوسرا شیطان اولادِ آدم کے بہشت میں جانے کا باعث بنا۔ گویا بہشت سے نکالنا اور بہشت میں لے جانا شیاطین ہی کے اختیار میں ہوگیا عیسائی علماء اگر اپنے موجودہ عقائد پر اڑتے ہیں جن کے لئے اناجیل مروجہ میں بھی کوئی قابل اعتماد تائید نہیں ملتی تو ان جملہ لازمی نتائج کو انہیں طوعاً و کرہاً ماننا پڑیگا۔ اور ان کا مذہب دنیا کے لئے ایک مضحکہ انگیز چیز بن جائے گا۔

مختلف مذاہب پر تنقیدی نظر ڈالنے والوں کے لئے اس کی ضرورت سب سے پہلے ہے کہ وہ اصلی اور حقیقی تعلیم کو بدعات مابعد سے علٰحدہ کرکے دیکھیں پھر مختلف مذاہب کی اصلی تعلیمات کا باہمی موازنہ کرکے اُن مذاہب کی حقانیت یا عدم حقانیت کے متعلق رائے قائم کریں۔ اور اگر کسی مذہب زیر تفتیش میں اُنہیں لغویات اور بیہودگیوں سے سابقہ پڑے تو اس غلط نتیجہ پر نہ آجائیں کہ ہر مذہب ایسی ہی کچھ لغویات اور بیہودگیوں کا مجموعہ ہوتا ہے سچ اس جہان سے مفقود نہیں ہوا اور سچا مذہب لغویات اور توہمات و ظنیات و رسمیات لالعینی سے اب بھی محفوظ ہے اور آئندہ بھی محفوظ رہے گا۔ صرف چشم حق بین کی ضرورت ہے۔

توریت و انجیل پر اسلامی رائے

اب تک توریت و انجیل کے متعلق ان مضامین میں جو کچھ لکھا گیا وہ بیشتر یا تو علمائے اہل کتاب کے اقوال تھے یا وہ نتائج جو ان اقوال سے پیدا ہوتے ہیں یہ سلسلہ ناقص اور یہ تبصرہ ناتمام رہے گا اگر علمائے اسلام کی تحقیقات کے نتائج سے بھی یہاں بحث نہ کی جائے کیونکہ مسلمانوں کو بھی توریت و انجیل سے بہت قوی تعلق ہے اور ان کا اسلام پر ایمان لانا توریت، زبور، انجیل وغیرہم پر بھی ایمان لانے کو مستلزم ہے قرآن میں کم از کم ایک سو کتیس جگہ ان کتب سماوی کا ذکر آیا ہے کہیں فرداً فرداً اور کہیں مجموعاً جن مقامات پر یہود و نصاریٰ یا انبیائے سلف کا ذکر بغیر تذکرہ کتب مقدسہ آیا ہے ان کا شمار اس کے علاوہ ہے مثلاً۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ (۵ : ۳) اور یہود و نصاریٰ نے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔

یہاں توریت و انجیل کا ذکر نہیں صرف یہود و نصاریٰ ہی کا ذکر ہے۔

شہادت قرآنی کی مثالیں | جن آیات میں کتب سماوی کا ذکر مجموعاً آیا ہے ان کی ایک مثال یہ ہے:۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ (۹ : ۱۲) "بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جان و مال کو خرید لیا ہے کہ ان کے لئے جنت ہے وہ لوگ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے توریت میں اور انجیل میں اور قرآن میں"

یہاں توریت و انجیل و قرآن کا ایک ساتھ ذکر آیا ہے۔

جن آیات میں ان کتابوں کا فرداً فرداً ذکر آیا ہے ان کی دو مثالیں یہ ہیں:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ اور تحقیق ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں بعد نصیحت کے کہ میرے

أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ([illegible]) صالح بندے زمین کے وارث بنیں گے۔"

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ جن لوگوں کو توریت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل

يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا (۶۲:۵) نہ کیا ان کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لادا جاتا ہے۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کتابوں پر ایمان لانے کا بھی حکم دیا ہے اور ان کتابوں کے منکروں کو گمراہ بتایا اور ان پر عتاب نازل کیا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ "اے ایمان والو! (یعنی اے مسلمانو) یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول

وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَ پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے نازل فرمائی اپنے رسول پر اور اس

الْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ کتاب پر جو اللہ نے نازل فرمائی قبل اس کے اور جو کوئی یقین نہ

يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ رکھے اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ (۴:۱۳۶) آخرت کے دن پر وہ شخص یقیناً گمراہی میں بہت دور جا پڑا۔

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا "جنہوں نے جھٹلایا اُس کتاب کو اور اس چیز کو جسے ہم نے

بِهِ رُسُلَنَا ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ إِذِ اپنے پیغمبروں کے ساتھ بھیجا انہیں البتہ معلوم ہو جائیگا (یعنی

الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ حقیقت حال اُن پر کھل جائیگی) جبکہ طوق اُن کی گردنوں میں ہوں گے

يُسْحَبُونَ ۝ فِي الْحَمِيمِ ثُمَّ فِي النَّارِ اور زنجیریں انہیں گھسیٹتی ہوئی کھولتے پانی میں ڈال دیں گی

يُسْجَرُونَ ۝ (۴۰ : ۷۰) پھر وہ آگ میں جھونک دئے جائیں گے۔"

یہ ہیبت ناک سزائیں صرف انہیں کے لئے نہیں ہیں جو قرآن کے منکر ہیں بلکہ ان کے لئے بھی ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے صحیفوں کے منکر ہیں۔

مگر یہ ساری تاکید اُس چیز پر ایمان لانے سے متعلق ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائی اور جس پر صحیح طور سے وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ اور وَبِمَا أَرْسَلْنَا

بہ دُسُلنا کا اطلاق ہوتا ہو نہ کہ اُن تحریروں کے متعلق جن کی بابت اللہ تعالیٰ نے خود خبر دیدی ہے کہ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ جہاں قرآن میں اللہ تعالےٰ نے صحف سماوی پر ایمان لانا مسلمانوں کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ وہاں اس بات کو بھی واضح فرمادیا ہے کہ توریت وانجیل میں اہل کتاب نے تحریفیں کی ہیں۔

تحریف کے متعلق شہادتِ قرآنی توریت وانجیل میں تحریف اور تبدیلیوں کے واقع ہونے کی اطلاع اللہ تعالےٰ نے صاف صاف قرآن مجید میں دے دی فرماتا ہے:۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ (۲:۹)

"مسلمانو! کیا تمہیں یہ اُمید ہے کہ اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) تمہاری تصدیق کریں گے حالاں کہ ان میں تو ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کا کلام سُنتے تھے پھر جان بُوجھ کر اس کو بدل ڈالتے تھے۔"

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا (۲:۹)

"پس خرابی ہے اُن کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب (کتاب آیات والفاظ کتاب) لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہیں تاکہ اس کے بدلے تھوڑا سا دنیوی فائدہ کرلیں۔"

مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا (۴:۷)

"یہودیوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کے بول (یعنی آیات وکلمات) کو اپنے ٹھکانے سے بدل دیتے ہیں اور (منہ سے) کہتے ہیں۔ ہم نے سُنا اور (دل سے) کہتے ہیں ہم نے نہیں مانا۔"

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا

"یہودیوں کی عہد شکنی کے سبب ہم نے اُن کو پھٹکارا اور اُن کے دلوں کو سخت کردیا ہے وہ خدا کے بول اپنے ٹھکانے سے بدلتے ہیں اور نصیحت سے فائدہ اُٹھانا بھول

مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ	گئے ہیں تو ہمیشہ ان کی خیانت (یعنی کتاب میں ردوبدل
خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ (۵:۳)	کرتے رہنا) دیکھتا رہیگا بجز ان میں سے تھوڑے لوگوں کے"
وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۛ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ	"یہودیوں میں بعض جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کے لئے
سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ	وہ جاسوس ہیں دوسری جماعت کی طرف سے جو تجھ تک نہیں
يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِن بَعْدِ مَوَاضِعِهِ (۵:۶)	آئی وہ کلام کو بدل ڈالتے ہیں اس کے اصلی ٹھکانے سے"

تحریف | جب قرآن میں اس قدر وضاحت کے ساتھ توریت انجیل میں تحریف کا واقع ہونا بیان کیا گیا ہے تو کسی مسلمان کے لئے کیسے ممکن ہے کہ اس تحریف کے وقوع سے انکار کرے لہٰذا نفس تحریف پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اس امر پر البتہ مسلمانوں میں بحث یہی ہے کہ کتب مذکورہ میں تحریف لفظی واقع ہوئی ہے یا تحریف معنوی یا دونوں۔

بکثرت علمائے اسلام کی تحقیقات یہ ہے کہ توریت اور انجیل میں دونوں قسم کی تحریفیں ہوئی ہیں الفاظ بھی بدل دیئے گئے ہیں اور باطل تاویلوں سے معانی بھی بگاڑ دیئے گئے ہیں لیکن امام بخاری صرف تحریف معنوی کے قائل ہیں وہ صحیح بخاری کے آخری حصہ میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک اور لفظ "رقیب" کی تفسیر نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ "یحرفون" کے معنی "یزیلون" کے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب اپنی کتابوں سے کچھ نکال ڈالتے یا اس میں کچھ ملا دیتے۔ اس کے بعد امام بخاری لکھتے ہیں۔

وليس احد يزيل لفظ كتاب من	"کتاب اللہ کے الفاظ کو کوئی شخص کتاب سے نکال
كتب الله ولكنهم يحرفونه يتأولونه	نہیں سکتا۔ ان کے ازالہ سے یہی مراد ہے کہ وہ لوگ اس میں
على غير تأويله (بخاری حصہ ۷: ۱۱۲)	ایسی تاویل کرتے ہیں جو درحقیقت صحیح تاویل نہیں ہوتی"

یہ قول درحقیقت امام بخاری کا ہے مگر بعض حضرات کو یہ اشتباہ و مغالطہ ہوا کہ یہ قول حضرت ابن عباس کا ہے حالانکہ آپ کا قول "یحرفون بمعنی یزیلون" پر ختم ہوگیا اور اس کے بعد کا یہ قول جو اوپر نقل کیا گیا ہے امام بخاری کا اپنا قول ہے

"یحرفون بمعنی یزیلون" سے ثابت نہیں ہوتا۔ کہ حضرت ابن عباس تحریف لفظی کے قائل نہ تھے کیونکہ آپ کے قول کی صریح اور صحیح تفسیر یہ ہو سکتی ہے کہ اہل کتاب الفاظ توریت و انجیل کو توریت و انجیل سے نکال دیتے تھے اور ان کی جگہ دوسرے الفاظ اپنی طرف سے داخل کر دیتے تھے اس کی تائید حضرت ابن عباس کا وہ قول بھی کرتا ہے جو اسی صحیح بخاری کی کتاب التوحید اور کتاب الاعتصام اور کتاب الشہادت میں امام بخاری نے نقل کیا ہے

ان ابن عباس قال یا معشر المسلمین کیف تسئلون اهل الکتب عن شیء وکتابکم الذی انزل علی نبیکم احدث الاخبار باللہ محضا لم یشب وقد حدثکم اللہ ان اهل الکتب بدلوا کتاب اللہ وغیروہ وکتبوا بایدیهم الکتب وقالوا هو من عند اللہ لیشتروا به ثمنا قلیلا اولا ینهکم ما جاءکم من العلم عن مسئلتکم لا واللہ ما راینا منهم رجلا یسئلکم عن الذی انزل علیکم (بخاری صفحہ ۳۶۹-۶۹۳، ۱۱۲۳)

"ابن عباس نے کہا اے مسلمانو! تم اہل کتاب سے کیونکر باتیں پوچھتے ہو، حالانکہ تمہاری کتاب جو تمہارے نبی پر نازل ہوئی ہے خدا کی طرف سے بعد میں آئی (یعنی جدید تر ہے) وہ خالص ہے اس میں کوئی آمیزش نہیں ہوئی۔ اہل کتاب کی نسبت خدا نے تم کو یہ خبر دی ہے کہ انہوں نے اپنی کتابوں کو بدل دیا ہے اپنے ہاتھوں سے کچھ لکھا اور کہہ دیا کہ یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ اس کے بدلے تھوڑا سا مول لے لیں کیا جو تم کو خدا نے علم دیا ہے وہ تم کو اہل کتاب سے استفسار میں مانع نہیں ہوتا؟ بخدا ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جو تمہارے دین کی بات تم سے پوچھتا ہو (یعنی پھر تم ان کے دین کی باتیں ان سے کیوں پوچھتے ہو)"

یہ قول فیصل ہے اس بارہ میں کہ حضرت ابن عباس تحریف لفظی و تحریف معنوی دونوں کے قائل ہیں امام بخاری ہی صرف تنہا وہ بزرگ ہیں جو توریت و انجیل میں تحریف لفظی کے قائل نہیں مگر ان کا

قول اس باب میں حجت وسند نہیں حدیث کی تصحیح و تضعیف اور رجال کی جرح و تعدیل میں البتہ اُن کا قول مستند مانا جاتا ہے لیکن فنون حدیثیہ کے علاوہ دیگر فنون و مسائل میں تنہا اُن کا کوئی قول جمہور علماء کے اقوال کے مقابلہ میں مستند نہیں سمجھا جا سکتا بالخصوص اُس حالت میں جبکہ وہ قول محض ظن اور قیاس پر مبنی ہو اور اس کی تائید میں وہ کوئی سند یا دلیل نہ رکھتے ہوں۔

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں سلف میں بہت لوگ ایسے گذرے ہیں جو ایک فن کے امام تھے مگر دوسرے فنون سے ناآشنا تھے۔ ذہبی نے طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ :-

بہت لوگ ایسے گذرے ہیں جو ایک فن میں ماہر اور دوسرے فنون میں قاصر تھے مثلاً سیبویہ علم نحو میں امام تھے مگر یہ نہ جانتے تھے کہ حدیث کیا شئے ہے وکیع حدیث میں امام تھے مگر عربیت یعنی علم ادب مانہ جانتے تھے۔ ابو نواس شاعری کا رئیس تھا مگر دیگر فنون سے عاری۔ عبدالرحمٰن بن مہدی حدیث میں امام تھے اور یہ نہ جانتے تھے کہ طب کیا ہوتی ہے۔ محمد بن حسن فقہ میں امام تھے اور نہ جانتے تھے کہ فن قرأت کیا شئے ہے۔ امام حفص قرأت کے امام تھے۔ اور حدیث سے تہی دست۔ سچ ہے کہ میدان کارزار میں مردِ میدان خاص ہی لوگ ہوتے ہیں جو لڑنے میں شہرت رکھتے ہیں "

اس طرح امام بخاری اگر توریت و انجیل پر غائر نظر نہ رکھتے ہوں تو یہ نہ کوئی تعجب کا محل ہے نہ فن حدیث میں جو وہ بلند مرتبہ رکھتے ہیں اُس میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے بجز روایت و تحقیق حدیث و تنقید رجال کے کسی اور فن میں ان کا دخیل ہونا اور مشغول رہنا ثابت نہیں محض ظن کی بنا پر انہوں نے یہ فرما دیا کہ "کتاب اللہ کے الفاظ کو کون نکال یا بدل سکتا ہے"۔ ان کی نظر غالباً اُن الفاظ پر نہیں پڑی جو ان کتابوں میں موجود ہیں کہ کسی طرح خدا کے کلمات نہیں ہوسکتے اور نہ ان کی نظر اس جانب گئی کہ ظالموں نے خدا کی کتاب کو جلا دیا، خدا کے نبیوں کو تہ تیغ کیا۔ اور خدا کے نبیوں پر اتہامات لگائے کتاب کی عبارتوں میں رد و بدل کر دیا اور لفظی و معنوی

تحریفوں کا عمل میں لانا تو ایسے لوگوں کے لئے ایک ہلکا اور آسان کام تھا۔

علمائے اسلام نے نہایت شد و مد کے ساتھ امام بخاری کے اس قول کا مقابلہ کیا ہے اور ان کی ظنی دلیل کا کافی جواب دیا ہے اور واقعات تاریخی سے ثابت کیا ہے کہ ان کتابوں میں لفظی اور معنوی دونوں تحریفیں موجود ہیں۔ ان میں سے نمونہ کے طور پر بعض علمائے کے چند اقوال ہم ذیل میں درج کرتے ہیں ان سے موجودہ توریت و انجیل کے متعلق عام اسلامی رائے کا بھی اندازہ ہو جائے گا۔

اقوال علمائے قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں امام بخاری کے اس قول کے مقابلہ میں فرمایا ہے کہ:۔

"بہت سے علمار اسلام نے بتصریح کہا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے بہت سے الفاظ توریت و انجیل کو بدل دیا ہے بعض کا قول ہے کہ انہوں نے ان کتابوں کو بالکل ہی بدل ڈالا ہے اور اس خیال سے وہ ان کتابوں کی بے ادبی کرنے کو جائز سمجھتے ہیں مگر یہ قول محل اعتراض ہے۔ بہت سی آیات و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کتابوں کی بہت سی چیزیں اپنی اصل پر ہیں جیسے رجم وغیرہ۔ بعض کا قول ہے کہ تھوڑے الفاظ میں تبدیلی ہوئی ہے۔ بعض کا قول ہے کہ صرف معانی میں تبدیلی ہوئی ہے نہ کہ الفاظ میں۔ چنانچہ بخاری نے یہی لکھا ہے مگر یہ قول بھی محل اعتراض ہے۔ ان کتابوں میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو خدا کی طرف سے ہرگز نہیں ہو سکتے۔ بعض علمائے نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ان کتابوں کا شغل رکھنا اور ان کو لکھنا و دیکھنا جائز نہیں ہے ..... مگر اس باب میں بہتر قول یہ ہے کہ جو شخص صاحب تمیز و بصیرت نہ ہو اس کو ان کتابوں کا شغل جائز نہیں اور جو صاحب تمیز ہو اور علم دین میں مضبوط ہو اس کے لئے جائز ہے خصوصاً اس حالت میں جبکہ مخالفین اسلام کو ان کتابوں کی مدد سے جواب دینا پڑے اس پر دلیل یہ ہے کہ علمائے قدیم سے اب تک علمائے توریت سے ایسی باتیں نکالتے آئے ہیں جن سے منکرین نبوت محمدیہ کو الزام دیتے چلے آرہے ہیں"

حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں امام بخاری کے قول مذکور کے تحت میں لکھا ہے کہ:۔

"ہمارے شیخ ابن ملقن نے فرمایا کہ یہ جو بخاری نے تفسیر آیہ "یحرفون" کے بارے میں کہا ہے یہ ایک قول ہے۔ جس کو امام بخاری نے پسند کیا ہے مگر ہمارے اکثر علمائ نے تصریح کہا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے الفاظ توریت و انجیل کو بدل ڈالا ہے اور اس پر انہوں نے یہ مسئلہ متفرع کیا ہے کہ ان کتابوں کی بے ادبی کرنی جائز ہے لیکن یہ بات قول بخاری کے مخالف ہے۔"

پھر آگے چل کر ابن حجر تحریر فرماتے ہیں:-

"بعض متاخرین شارحین بخاری نے کہا ہے کہ اس مسئلہ تحریف میں کئی اقوال ہیں ایک یہ ہے کہ توریت و انجیل سب کی سب بدل گئی ہیں ان کتابوں کی بے ادبی کا جواز اسی قول کا مقتضیٰ ہے مگر یہ زیادتی ہے اور اس قول کی یہ تاویل ضروری ہے کہ تحریف کل سے اکثر حصہ کی تحریف مراد ہے ورنہ یہ بے فائدہ کا جھگڑا ہوگا کیونکہ بہت سی آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ ان کتابوں میں بہت سی چیزیں اپنی اصل پر ہیں۔ جن میں تبدیلی نہیں ہوئی ہے ایک آیت میں ارشاد ہے اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰىةِ یعنی وہ جو رسول کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے پاس توریت میں لکھا ہوا پاتے ہیں وازانجملہ قصہ رجم ہے جس میں مذکور ہے کہ توریت میں حکم رجم موجود ہے اس امر کا مؤید خدا کا یہ قول ہے فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْھَآ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ یعنے توریت لاؤ اور اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو دوسرا قول یہ ہے کہ تحریف ان کتابوں کے اکثر حصہ میں ہوئی ہے اس قول کے دلائل (یعنی شواہد و امثال) بکثرت موجود ہیں۔ اور پہلے قول کو اسی قول کے معنی میں لینا واجب ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اکثر حصہ ان کتابوں کا محفوظ ہے تھوڑے حصہ میں تبدیلی ہوئی ہے چوتھا قول یہ ہے کہ تبدیلی صرف معنی میں ہوئی ہے۔ الفاظ سب محفوظ ہیں صحیح بخاری میں اس مقام میں یہی قول بیان ہوا ہے ابن تیمیہ

سے اس مسئلہ کی بابت سوال ہوا تو انہوں نے اس کے جواب میں ایک فتویٰ لکھا جس میں کہا کہ اس باب میں علماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ الفاظ میں بھی تبدیلی ہوئی ہے دوسرا یہ کہ صرف معانی میں ہوئی ہے۔"

اس کے بعد ابن حجر نے ابن تیمیہ کی طرف سے اُن دلائل کا رد نقل کیا ہے جو مجوزانِ تحریفِ معانی پیش کیا کرتے ہیں پھر علامہ ابن حزم کی کتاب الملل والنحل کی وہ عبارت نقل کی ہے جس میں انہوں نے توریت کی اُن باتوں کی جانب اشارہ کیا ہے جو حق تعالیٰ کا کلام نہیں ہو سکتیں مثلاً یہ کہ (نعوذ باللہ) لوط علیہ السلام کی بیٹیوں نے اپنے باپ لوط کو شراب پلائی پھر اُن سے بدفعلی کر کے حاملہ ہوئیں اس کے بعد ابن حجر علامہ ابن حزم کی مندرجہ ذیل عبارت نقل کرتے ہیں:-

"بعض مسلمانوں سے ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ توریت و انجیل میں لفظی تحریف واقع ہونے سے منکر ہیں۔ حالانکہ قرآن و حدیث میں آچکا ہے کہ "یہود و نصاریٰ خدا کے کلام کو بدل ڈالتے ہیں۔ اور خدا پر دیدہ و دانستہ جھوٹ باندھتے ہیں کہ یہ بات خدا کی طرف سے ہے حالانکہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتی۔ اور وہ حق بات کو چھپاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ وہ حق ہے منکرین تحریف کے جواب میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں اصحاب نبوی کے حق میں فرمایا ہے کہ ان کا حال اور ان کی صفت توریت و انجیل میں یوں موجود ہے کہ "وہ ایک کھیتی کے مانند ہیں جس نے نکالا اپنا پٹھا" (تا آخر سورۃ الفتح) مگر اب توریت و انجیل میں اصحاب کی یہ صفت مذکور نہیں ان منکرین تحریف سے جن کا قول یہ ہے کہ جب توریت پر نقل متواتر منقول ہے۔ تو اس میں تحریف کیونکر ممکن ہے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہود و نصاریٰ اس بات پر متفق ہیں کہ توریت و انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا ذکر موجود نہیں اب اگر تم ان کی اس کتاب کی (جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا ذکر نہیں)

تصدیق کروگے تو تم کو اس امر کی بھی تصدیق کرنی پڑے گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب کا ذکر توریت میں نہیں ہے (جس سے تصدیق قرآن فوت ہوگی) اور اگر اس امر کی تصدیق کروگے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ باقی سب کتاب کی تصدیق کرو اور اس کو تحریف سے محفوظ مان لو کیونکہ وہ سب یکساں ہے"

حافظ ابن القیم حنبلی نے بھی کتاب اغاثۃ اللہفان میں اس مسئلہ پر طول طویل بحث کی ہے اور امام بخاری کے قول کے جواب میں ابن تیمیہ کی لمبی چوڑی عبارت ان کی تالیف "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح" سے نقل کی ہے۔ پھر اہل کتاب نے جو تحریفات لفظی ومعنوی کی ہیں انہیں بیان کیا ہے اور ان کے تحریف سمجھے جانے کے وجوہ بیان کئے ہیں انہوں نے اور دیگر علمائے اسلام نے تحریف لفظی کی دس مثالیں پیش کی ہیں تحریفات کا شمار تو اس سے بہت زیادہ ہے مگر مسلمان علماء نے مثال کے طور پر صرف انہیں تحریفوں پر زور دیا ہے جن کا تحریف ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے وہ دس مثالیں یہ ہیں:-

(۱) موجودہ توریت میں بجائے اسمٰعیل علیہ السلام کے اسحٰق علیہ السلام کو ذبیح اور ابراہیم علیہ السلام کا پہلوٹھا یا اکلوتا بیٹا قرار دیا ہے اس قول کے غلط ہونے کے ابن القیم نے دس وجوہ بیان کئے ہیں

(۲) لوط علیہ السلام پر اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ زنا کی تہمت اور ان دونوں بیٹیوں کا زنا سے حاملہ ہو جانا اور ان سے حرامی اولاد کا پیدا ہونا۔

(۳) یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا پر اپنی بہو سے زنا کی تہمت اس کا حاملہ ہونا اور حرامی بچہ جننا اور اس حرامی بچہ کی نسل سے داؤد علیہ السلام کا پیدا ہونا۔

(۴) ہارون علیہ السلام کو گوسالہ پرستی کا بانی قرار دینا۔

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر اور آپ کے متعلق پیشینگوئیوں کو اہل کتاب کا اپنی کتابوں سے نکال دینا۔ علمائے اسلام نے اس پر نہایت شرح وبسط کے ساتھ بڑی فاضلانہ بحثیں کی ہیں۔

(۶) سورہ الفتح کے آخر میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے جو اوصاف بیان ہوئے ہیں اور جن کی بابت اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ان اوصاف کا ان کتابوں سے خارج کر دینا۔

(۷) عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل میں بذریعۂ تحریف لفظی ابن اللہ بنا دینا اور بذریعہ تحریف معنوی اس ابنیت کو حقیقی قرار دینا۔

(۸) انجیل میں ایسے الحاقی الفاظ داخل کر دینا جن پر عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کی بنیاد قائم کی گئی ہے۔

(۹) عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب پر موت اور دوبارہ زندگی۔

(۱۰) عیسیٰ علیہ السلام کی اس موت کو قربانی اور دوسروں کا کفارہ قرار دینا۔

بعض لوگوں کو امام رازی کے متعلق بھی یہ التباس ہوا ہے کہ مثل امام بخاری کے یہ بھی تحریف لفظی کے قائل نہیں مگر بات صرف اتنی ہے کہ جن آیات قرآنی میں تحریف معنوی کی جانب اشارہ ہے وہاں وہ اپنی تفسیر میں تحریف معنوی کا مراد ہونا بیان کرتے ہیں اور اس کو صحیح کہتے ہیں اور جہاں تحریف لفظی کی جانب اشارہ ہے وہاں تحریف لفظی کا بخوبی اثبات کرتے ہیں۔ اور اس کو بہتر قرار دیتے ہیں جن لوگوں نے صرف ایک ہی قسم کے قول یعنی کلام مثبت تحریف معنوی کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکال لیا۔ کہ امام صرف تحریف معنوی ہی کے قائل ہیں انہوں نے غلط نتیجہ نکالا سورہ بقرہ کی آیت (جو اوپر درج ہو چکی ہے) کی تفسیر میں امام رازی لکھتے ہیں کہ:۔

"یہ تحریف لفظ میں ہے یا معنی میں۔ لیکن لفظی تحریف کی تجویز معنوی تحریف کی تجویز سے بہتر ہے کیونکہ اگر کلام الٰہی اپنی اصلی صورت پر باقی رہے اور صرف اس کے معنی میں تاویل کی جائے تو اس صورت میں وہ لوگ کلام الٰہی کے بدلنے والے نہ کہلاتے بلکہ صرف اس کے معنی کے محرف بنتے (حالانکہ وہ کلام الٰہی کے بدلنے والے ٹھہرائے گئے ہیں) اس تحریف سے یہ معنی (یعنی تحریف لفظی کم

مراد لئے جائیں تو بہتر ہے جیسے ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ "اہل کتاب نے ان کتابوں میں کمی و بیشی کی ہے" یعنی نہ ہو سکیں تب تحریف معنوی مراد لینا واجب ہے "تفسیر کبیر صفحہ ۵۵۵ جلد اوّل) آیت سورۃ النسا کی تفسیر میں امام رازی لکھتے ہیں کہ :-

"خدا تعالے نے یہاں "عن مواضعہ" فرمایا ہے اور سورۃ المائدہ میں من بعد مواضعہ فرمایا۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ سورۃ النسا کے الفاظ سے تاویل مراد ہے اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ آیات توریت وغیرہ کی باطل تاویلیں کرتے ہیں اس میں یہ بیان نہیں ہے کہ وہ ان الفاظ کو کتاب اللہ سے نکال دیتے ہیں اور جو الفاظ سورۃ المائدہ میں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں تحریفیں عمل میں لاتے ہیں۔ تاویل باطل بھی کرتے ہیں اور الفاظ بھی بدل ڈالتے ہیں۔ اس آیت میں "یحرفون الکلم" سے تاویل باطل کی طرف اشارہ ہے اور "من بعد مواضعہ" میں الفاظ کو کتاب میں سے نکال ڈالنے کی طرف اشارہ ہے "

تفسیر کبیر صفحہ ۳۸۴ جلد ۳ -

پھر امام رازی اپنی تفسیر میں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ جس کتاب کے حروف و کلمات کی شہرت حد تواتر تک پہنچ چکی ہو اُس کے حروف و کلمات میں تبدیلی کیوں کر ممکن ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت اُس کی تبدیلی ہوئی تھی اُس وقت شاید اس قوم میں قلت ہو اور توریت کے جاننے والے علما اور بھی کم ہوں۔ اس لئے وہ لوگ اس تحریف و تبدیل پر قادر ہو گئے"۔ (تفسیر کبیر صفحہ ۳۴۵ جلد ۳)

ان کتابوں کی شہرت "حد تواتر" تک پہنچنے کی بابت بھی علمائے اسلام نے بہت کافی حد تک تنقید کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ان کتابوں کا بجمیع الفاظ و اجزاء متواتر ہونا ثابت نہیں اوّل تو ان کتابوں کے تعین مصنفین اور تعین زمانہ تصنیف میں خود اہل کتاب کے نزدیک اختلاف ہے! اور ان کتابوں کے بہت سے

الفاظ و فقرات و ابواب کا مصنفین کتب سے بتواتر منقول ہونا اور کمی بیشی سے محفوظ ہونا وہ خود تسلیم نہیں کرتے اور ان کتابوں میں کمی و بیشی و تغیر و تبدل کے وہ صاف صاف معترف ہیں اہل اسلام کے نزدیک نقل متواتر کے لئے شرط ہے کہ اس کی ابتدا اور وسط میں بھی ویسی ہی کثرت ہو جیسی کہ انتہا میں اور کسی درجہ میں ایسی قلت نہ ہو جس سے اس کے ناقلین کا کذب پر اتفاق ممکن ہو حالانکہ ہمارے مضامین سلسلہ ہذا کے گزشتہ نمبر ثابت کر چکا ہے کہ توریت و انجیل کو یہ تواتر حاصل نہیں ہوا۔ دوم یہ کہ عہد جدید کے متعلق یہ امر خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے کہ اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ کتب عہد جدید کی صحت میں کبھی کوئی زوال نہیں آیا۔ اور جن لوگوں کی طرف یہ کتابیں منسوب ہیں مثلاً متی یوحنا پولوس وغیرہم انہی سے ان کتابوں کا ہر جز بہ نقل متواتر ہم تک پہنچا ہے تب بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کتابوں میں جو تعلیم و ہدایات و مضامین درج ہیں وہ عیسیٰ علیہ السلام سے جن پر انجیل کا نازل ہونا مسلمانوں کے نزدیک مسلم ہے بتواتر منقول ہوں لہٰذا اس تواتر مفروض الوجود کا سلسلہ متی وغیرہ ہی پر ختم ہوتا ہے اور ان لوگوں کا صاحب الہام یا خدا کی طرف سے رسول ہونا مسلمان تسلیم نہیں کرتے نہ عیسائی اسے ثابت کر سکتے ہیں مسلمانوں کے نزدیک وہی انجیل واجب التسلیم والایمان ہے جو کہ عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی نہ کہ موجودہ مجموعہ عہد جدید جسے اور لوگوں نے تصنیف کیا۔ اس امر کی بابت ۱۲۹۸ھ سے قبل علماء دہلی نے ایک فتویٰ شائع کیا تھا جس پر متعدد علماء کی مہریں ثبت تھیں اس کی پوری عبارت کے یہاں درج کرنے میں طوالت ہو گی۔ اس لئے اس میں سے دو اقتباسات ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:۔

"نزد اہل اسلام انجیل عبارت از کلام الٰہی تبارک و تعالیٰ است کہ بر حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل شدہ بود مشتمل بہ ہدایات و فرمود مصدق احکام توریت و نصیحت برائے پرہیزگاران نہ از این مجموعہ عہد جدید۔"

دوسرا اقتباس یہ ہے:۔

"بودن ایں تراجم مذکورہ یا اصل آنہا ہم اگر مطابق ہمیں تراجم مسطورہ است ہماں انجیل یعنی کلام ربانی کہ او تعالیٰ جلشانہ با نزال فرمودن آں بر حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام در قرآن خبر دادہ نزد علماء شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف صلوٰۃ و تحیۃ بخبر آحاد ہم مروی و محفوظ نیست چہ جا کہ خبر مشہور باشد و اعمال حواریین کہ تصنیف لوقا ہمی است و ہمچنیں نامجات پولوس وغیرہ بمذہب ما داخل نیستند بلکہ انجیل نزد ما فقط عبارت از آں کلام حضرت عیسیٰ بود کہ موافق وحی ربانی ارشاد آں فرمودہ پس اطلاق کلام ربانی بر ایں مجموعہ بلا سند شرعی چگونہ کردہ شود۔ بلکہ اطلاق کلام ربانی بر اصل توریت کہ بزبان عبرانی بودہ بر مجموع اصل انجیل بسبب تحریفات کثیرہ ہم نمیتواند شد زیرا کہ تحریفات بیشتر در اصل ہر دو کتاب توریت و انجیل از ایشان واقع شدہ و قرآن شریف بر تحریفات ایشاں ناطق است۔"

مسلمان علماء کے نزدیک موجودہ توریت و انجیل کا مرتبہ بلحاظ صحت و ثبوت احادیث صحیحہ متواترہ سے گھٹا ہوا ہے بلکہ خبر واحد کے بھی برابر نہیں۔ صحیح اور متواتر احادیث نبوی وہ سمجھی جاتی ہیں جن کی ہر زمانہ میں بکثرت روایت کی گئی ہو۔ اور عقل ان کے کذب کو محال جانے اخبار آحاد کا اطلاق ان احادیث پر ہوتا ہے۔ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صرف ایک یا دو یا چار صحابہ نے نقل کیا ہو گو بعد میں انکی نقل میں تواتر ہوگیا ہو۔ عیسائی محققین کی عینک سے بھی دیکھا جائے تو یہ کتابیں آحاد کے مرتبہ تک نہیں پہنچتیں۔ کیونکہ ان کے ابتدائی راویوں ہی کے وجود میں اختلاف وشکوک واقع ہو چکے ہیں۔

توریت وانجیل پر اسلامی رائے

فطرت انسانی کی ایک کمزوری جہاں فطرت انسانی میں اور کمزوریاں واقع ہوئی ہیں وہاں ایک قابل افسوس کمزوری یہ بھی ہے کہ وہ ہر چیز کے غلبۂ ظاہری سے بلا امتیاز حق و باطل مرعوب مغلوب ہو جاتی ہے مسلمانوں کو اس کمزوری پر غالب ہونا چاہیئے۔ باطل کے ظاہری اور عارضی غلبہ سے کسی مسلمان کا مرعوب ہو جانا ضعف ایمانی کی دلیل ہے مثلاً آج کل دہریت اور الحاد کا زور ہے اور نا تمام ناقص اور غیر مکمل سائنس کی عام طور پر لوگوں کے دل و دماغ پر حکومت ہے۔ اس دہریت اور سائنس سے متاثر ہو کر بعض ضعیف الایمان مسلمانوں نے یہ روش اختیار کر رکھی ہے کہ وہ قرآن اور حدیث کی ہر بات کو تاویل باطل کے ذریعہ سے موجودہ سائنس کے مطابق ظاہر کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اسی طرح اب سے تقریباً پچاس سال قبل ہندوستان میں پادری مبلغین کی مسیحیت کا زور شور ہوا تھا۔ اور اس زمانہ کے بعض جدت پسند اور ہر نئی چیز سے جلد متاثر ہو جانے والے اور حکمران قوم کی ہر ادا پر فریفتہ ہونے والے اور مٹ جانے والے مسلمانوں نے توریت وانجیل کا مطالعہ اور ان پر تفسیریں لکھنا اور کتابیں شائع کرنا شروع کر دیا تھا ان میں سے بعض لوگ تو علانیہ عیسائی بن کر اور پادریوں کے زمرہ میں داخل ہو کر تبلیغ عیسویت میں ان کے ممد و معاون بن گئے تھے۔ اور ان میں سے بعض مسلمانوں کو یہ خبط پیدا ہو گیا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں میں اس نوع کے خیالات کی اشاعت شروع کر دی تھی کہ مسلمانوں کے لئے موجودہ توریت وانجیل بلا واسطۂ قرآن واجب العمل ہیں۔ اور ان کتب میں اور قرآن مجید میں بلحاظ عمل و تمسک کوئی فرق نہیں ہے۔

ان کا مقولہ تھا کہ:۔

"مسلمان ان کتابوں کو ویسا ہی پڑھیں جیسا کہ قرآن مجید کو پڑھتے ہیں اور ان واقعات و حوادث

ہیں جو ان کو روزمرہ پیش آتے ہیں ان کتابوں سے فتویٰ لیں اور اخذ احکام کریں جیسا کہ قرآن سے اخذ احکام کرتے ہیں خصوصاً ان مسائل میں جو قرآن میں نہیں ہیں اور ان کتابوں میں موجود ہیں۔ ان میں سے بعض حضرات قرآن پر یہ مہربانی کرتے تھے کہ ان کتابوں کے رتبہ کو قرآن کے رتبہ سے کمتر مگر حدیث کے رتبہ سے بڑھ کر یا اس کے برابر خیال کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ :-

"جو حکم قرآن سے نہ ملے وہ ان کتابوں سے اخذ کیا جائے اور ان کتابوں میں نہ ملے تب کتب حدیث سے لیا جائے۔ اور کم سے کم یہ ہو کہ ان کتب کو کتب حدیث کے برابر سمجھا جائے۔"

اگرچہ دہریت کے سیلاب نے اب اسی عیسویت کو بھی بہا دیا اور اس عیسویت پسندی کا بھی نام و نشان باقی نہ رکھا تاہم ضرورت ہے کہ عام مسلمانوں کے فائدہ کی غرض سے عمل بالتوراۃ والانجیل پر مستند عام مسلک یہاں بالصراحت بیان کر دیا جائے۔

عمل بالتوراۃ والانجیل زمانہ نبوت سے لیکر اس وقت تک موجودہ توریت و انجیل وغیرہ کی نسبت اہل اسلام کا یہ اعتقاد متواتر و متوارث چلا آ رہا ہے کہ ان کتابوں کے جو احکام منجانب اللہ ہیں اور منسوخ نہیں ہوئے یا سابق امتوں کے ساتھ مخصوص نہیں، وہ امت محمدیہ کے لئے واجب العمل ہیں مگر ان احکام پر مسلمانوں کا عمل قرآن پر عمل کے ضمن میں پایا جاتا ہے کیونکہ قرآن مجید تمام کتب سابقہ کے واجب العمل احکام کا جامع ہے اور جملہ کتب منزل من اللہ اصلاً اس میں شامل ہیں حقیقتاً قرآن کی تعمیل کتب ماقبل کے احکام واجب التعمیل کی بھی تعمیل ہے حدیث صحیح بھی قرآن کے حکم کے تحت میں ہے گو اس میں قطعیت و ظنیت کا فرق ہے اس لئے جو حکم احادیث صحیح میں وارد ہے اس کو بھی مسلمان حکم قرآنی سمجھتے ہیں اور قرآن کی طرح واجب العمل جانتے ہیں اس بنا پر شرائع سابقہ کے جو احکام احادیث میں منقول ہیں ان کی تعمیل بھی گویا قرآن ہی کی تعمیل ہے۔

مگر یہ اعتقاد متقدمین و متاخرین میں سے کسی محقق سے منقول نہیں کہ موجودہ توریت و انجیل سے

اخذ احکام بلا واسطۂ قرآن واجب ہے۔ اور قرآن کی طرح ان کتابوں سے تمسک کرنا مسلمانوں کا فرض ہے نہ یہ عمل ان سے مروی ہے کہ ان کتابوں پر بلا واسطۂ قرآن انہوں نے اعتماد کیا ہو اور واقعات روزمرہ میں ان کتابوں سے فتویٰ لیا ہو۔

احکام کتب سابقہ تین اقسام پر تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔

(۱) وہ احکام جو قرآن وحدیث کے مطابق ہیں ان کی تعمیل قرآن کی تعمیل ہے۔

(۲) وہ احکام جو قرآن وحدیث کے خلاف ہیں ان کی تعمیل کا نہ کرنا ہی مسلمانوں پر لازم ہے اس قسم کے احکام یا تو وہ ہیں جو درحقیقت کتب قدیمہ میں تھے مگر اب شریعت محمدی نے انہیں منسوخ کر دیا۔ یا وہ ہیں جو اہل کتاب کی طرف سے اُن کتابوں میں بڑھا گھٹا دیئے گئے ہیں اور تحریف والحاق کے تحت میں آتے ہیں۔

(۳) وہ احکام یا وہ امور جن کی بابت قرآن وحدیث میں نہ کوئی تائید وموافقت پائی جاتی ہے نہ تردید ومخالفت۔ ان کی بابت مسلمانوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم ہے کہ:

"مسلمانو! تم اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب کرو اور یہ کہو کہ ہم اس چیز پر ایمان لائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی۔ ہے یعنی جن امور پر قرآن وحدیث ساکت ہیں ان پر یہ مشروطی اور اجمالی اعتقاد مسلمانوں کے لئے کافی ہے کہ اگر وہ بات منجانب اللہ ہے تو ہم نے اسے مانا اور تسلیم کیا۔

قسم اوّل یعنی احکام واجب التعمیل کے متعلق علماء نے بہت کچھ بحث کی ہے۔

صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل منقول ہے کہ آپ نے داؤد علیہ السلام کی موافقت میں سجدہ کیا۔

سنن نسائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول منقول ہے کہ حضرت داؤد نے توبۃً سجدہ کیا تھا۔ اور ہم اس کے شکریہ میں سجدہ کرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ آیا سورۂ ص میں سجدہ ہے؟ آپ نے فرمایا بے شک اس میں سجدہ ہے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کرتے دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے نبیوں کے فعل کی پیروی پر مامور تھے۔

ان ہی افعال و اقوال سے علماء نے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ جو فعل یا حکم انبیائے سابقین سے قرآن میں منقول ہو اور کوئی حکم اس کا مخالف یعنی ناسخ ہماری شریعت میں وارد نہ ہو وہ حکم اہل اسلام کے لئے لائق دستاویز ہے۔

تفسیر کبیر میں امام رازی نے اللہ تعالےٰ کے اس قول کے تحت میں کہ "جن لوگوں کی ہم نے ہدایت کی ہے ان کی پیروی کرو" تحریر فرمایا ہے کہ:-

"ہدایت یافتہ لوگوں سے انبیاء مراد ہیں اور ان کی پیروی کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوا ہے۔ جن امور میں پیروی کا یہ حکم وارد ہوا ہے۔ ان کی تعیین میں علماء کے درمیان اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ان سے وہ امور مراد ہیں جن میں سب انبیاء کا اتفاق ہے۔ مثلاً توحید الٰہی اور اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات و افعال کو نامناسب اعتقاد سے پاک رکھنا وغیرہ۔ بعض کا قول یہ ہے کہ ان امور سے اخلاقِ حمیدہ اور صفاتِ رفیعہ و کاملہ میں پیروی مراد ہے جیسے کہ سفہاء کی ایذا پر صبر اور ان کے ساتھ عفو۔ بعض کا یہ قول ہے کہ اس سے ان کے جملہ احکام شریعت مراد ہیں بجز ان احکام کے جن کو مستثنا و مخصوص کر دیا گیا ہو۔ اس قول کی رو سے یہی شریعتیں ہمارے لئے واجب العمل ٹھیرتی ہیں۔"

مگر امام قرطبی اور دیگر علماء نے مندرجہ بالا تیسرے قول کی تفصیل میں اس نہایت ضروری شرط پر زور دیا ہے۔ کہ شریعت سابقین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے معلوم ہوئی ہو۔ اور وہ اُمت سابقہ کے ساتھ مخصوص یا بعد میں منسوخ نہ ہوئی ہو کتب سابقہ میں تحریف و تبدّل

کے وقوع یقینی نے اس شرط کو بہت ضروری بنا دیا ہے۔

بعض علما کا یہ قول ہے کہ ہمارے لئے ان شریعتوں کی پیروی واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک ایک شریعت بنا دی ہے) اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پہلی شریعتیں خاص خاص اوقات و مقامات کے لئے مخصوص رہی ہیں اور ان اقوال خداوندی میں جن سے پیروی کا لزوم ثابت کیا جاتا ہے مثلاً فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ اور مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ اصول اعتقادی مراد ہیں نہ فروع عملی۔

بعض علما کا یہ قول ہے کہ وہ شریعتیں ہمارے لئے واجب العمل ہیں مگر نہ اس اعتقاد سے کہ وہ پہلوں کی شریعتیں ہیں بلکہ اس اعتقاد سے کہ وہ اب ہمارے لئے شریعت بن گئی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا یعنی پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا۔ جن کو ہم نے چن لیا۔ (یعنی مسلمان بنا لیا) اور ظاہر ہے کہ جو چیز کسی کی وراثت میں آتی ہے وہ اسی کی ملک ہو جاتی ہے۔ مورث سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا لہٰذا ہم ان شریعتوں پر اس اعتقاد سے عمل کریں گے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی شریعت ہے اس کی مزید تائید میں وہ اس قول نبوی کو بھی پیش کرتے ہیں کہ "اگر اس وقت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ بھی میری ہی پیروی کرتے" علما کا یہ گروہ پہلی شریعتوں کو جو اپنی شریعت قرار دیتا ہے تو وہ صرف اصول دینی ہی کو نہیں لیتا۔ بلکہ پوری شریعتوں کو لیتا ہے جن میں فروع بھی شامل ہیں۔ ان میں سے جو احکام منسوخ ہو چکے ہیں ان کی بابت یہ گروہ کہتا ہے کہ اس سے شریعت بدل نہیں گئی بلکہ ان احکام کی تعمیل کی مدت معینہ ختم ہو گئی۔

اس نوع کے اختلاف محض لفظی ہیں۔ بات ایک ہی ہے صرف انداز بیان میں فرق ہے،

پرانی شریعتوں کو خواہ اپنا قرار دیا جائے یا انبیاء قدیم کا مسلمانوں کے لئے واجب التعمیل وہ اسی صورت میں ہو سکتی ہیں جبکہ وہ قرآن و حدیث کی وساطت سے پہنچیں یا قرآن و حدیث کے مطابق ہوں۔ موجودہ توریت و انجیل سے براہ راست تمسک کا نہ سلف میں کوئی قائل ہے نہ خلف میں امام رازی کے قول کو بھی مزید اطمینان کے لئے ملاحظہ فرمایئے جو انہوں نے اپنی کتاب المحصل میں اپنے اس دعوے کی تائید میں بیان کیا ہے کہ پچھلی کتابوں کا اتباع ہم پر واجب نہیں:

"دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان شریعتوں کی (جو ان کتابوں میں پائی جاتی ہیں) پیروی کرتے تو ہر زمانے کے علماء پر یہ امر واجب قرار پاتا کہ وہ اپنے واقعات و حوادث پیش آمدہ میں ان کتابوں کی طرف مراجعت کریں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل کی پیروی ان پر واجب ہے اور جب انہوں نے یقیناً ایسا نہیں کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی وقوع میں نہیں آیا۔ اس سے ان کتابوں کا واجب العمل ہونا باطل ہوا۔

تیسری دلیل۔ اگر وہ کتابیں ہمارے لئے لائق دستاویز ہوتیں تو ان کتابوں کو یاد کرنا ہمارے لئے فرض کفایہ ہوتا جیسا کہ قرآن و حدیث کا یاد کرنا فرض کفایہ ہے اور علماء باہمی اختلاف کے مواقع پر ان کتابوں کی طرف رجوع کرتے جبکہ ان کو بعض مسائل میں اشتباہ ہوا تھا۔ مثلاً فرائض کا مسئلہ عول اور جدہ و زن مفوضہ (یعنی وہ عورت جس کا مہر وقت نکاح مقرر نہ ہوا اور اس کے شوہر نے قبل ہم بستری وفات پائی) کی میراث اور ام ولد کی بیع اور شراب پینے و زنا کی حد اور مخنث کی دیت اور زر خرید کنیز عیب دار کا ہم بستری کے بعد واپس کرنا اور مباشرت بلا انزال سے غسل کا واجب ہونا وغیرہ ذالک۔ اور یہ امر کسی ایک سے بھی منقول نہیں کہ انہوں نے اپنی تمام عمر میں باوجود کثرت واقعات اور باہمی اختلافات کے توریت کی طرف

رجوع کیا ہو خاص کر اس حالت میں جبکہ یہودیوں کے علماء مسلمان ہو گئے تھے جیسے عبداللہ
بن سلام اور کعب احبار اور وہب بن منبہ جن کے اقوال توریت کے متعلق مستند سمجھے جا سکتے
تھے، ان کے ذریعے سے رجوع آسان تھا مگر ایسا نہ کیا۔ اور مسائل میں انہوں نے اپنے ہی
قیاس کی طرف رجوع کیا۔ یہ بات کتاب اللہ سے مایوسی کے بعد جائز ہوتی ہے اور مایوسی
کتاب اللہ کو سیکھنے سے پہلے ہو نہیں سکتی۔ جب انہوں نے ان کتابوں کو سیکھا ان کے
احکام دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ انہوں نے ان کتابوں کو قابل تمسک نہ سمجھا۔

چوتھی دلیل آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ کے اس قول کو کہ :-
"میں کتاب اللہ اور سنت میں کوئی حکم نہ پاؤں گا تو اپنے اجتہاد سے فتویٰ دونگا"
پسند کیا اگر ان کو توریت کی پیروی کا حکم ہوتا تو ان کا اپنے اجتہاد پر عمل کرنا جائز نہ ہوتا تاوقتیکہ توریت
وانجیل کو وہ دیکھ نہ لیتے۔ اس دلیل پر اگر یہ اعتراض ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے معاذ کو اسی صورت میں اجتہاد کی اجازت دی جبکہ کتاب اللہ میں انہیں کوئی حکم نہ ملے
اور توریت بھی تو کتاب اللہ ہے۔ یا یہ اعتراض ہو کہ توریت کا صاف نام انہوں نے اس
لئے نہیں لیا کہ توریت کی طرف رجوع کرنے کا حکم قرآن مجید میں آ چکا ہے لہذا قرآن کی طرف
رجوع کرنا خود توریت کی طرف رجوع دلاتا ہے۔ تو پہلے اعتراض کا ایک جواب تو یہ ہے
کہ مسلمانوں میں جب لفظ کتاب اللہ بے قید بولا جاتا ہے تو اس سے قرآن مراد ہوتا ہے
لہذا اس سے توریت وانجیل یا دلیل مراد نہیں ہو سکتیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت
معاذ بن جبل سے کہیں ثابت نہیں ہوا کہ انہوں نے توریت وانجیل کو سیکھا۔ یا ان کے
حروف وغیر محرف احکام میں تمیز کی ہو۔ جیسا کہ قرآن کا پڑھنا اور سیکھنا ان سے بخوبی
ثابت ہے دوسرے اعتراض کا جواب بھی ادا ہو گیا۔ کہ موجودہ توریت وانجیل کی طرف

ہر بات میں رجوع کرنے کا قرآن میں حکم ہوتا تو حضرت صلعم ان کتابوں کو پڑھتے اور سیکھتے اور ان کی طرف کبھی تو رجوع کرتے۔

اس بارہ میں جن لوگوں نے غلطی کھائی ہے انہوں نے غالباً ان آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے سمجھنے میں غلطی کی ہے جن میں بطور اجمال ان کتابوں کو نور ہدایت کہا گیا ہے اور بعض مواقع خاص میں ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ ان آیات و احادیث میں توریت و انجیل کی ہر بات کو ہدایت و نور نہیں کہا گیا۔ اور نہ ہر موقع و محل میں ان کتابوں کی طرف رجوع کرنے کا خدا و رسول نے حکم دیا ہے بلکہ ان کو بالاجمال ہدایت کہنے سے انہیں باتوں کا ہدایت ہونا مقصود ہے جن کا منجانب اللہ محفوظ و واجب العمل ہونا بشہادت قرآن و حدیث ثابت ہے اور انہیں مواقع خاص میں ان کتابوں کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے جن میں اہل کتاب کے تصرف کا دخل نہیں ہونے پایا۔ کوئی مسلمان اس بات کو نہیں مان سکتا۔ کہ موجودہ توریت و انجیل میں جو کچھ لکھا ہے سب سچ ہے۔ مثلاً کوئی مسلمان اس بات کے ماننے کے لئے تیار نہیں کہ لوط علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں کے ساتھ اور داؤد علیہ السلام نے اوریا کی جورو کے ساتھ (نعوذ باللہ) زنا کیا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام (معاذ اللہ) خدا کے بیٹے یا خود خدا یا تین خداؤں کی کمیٹی کے ممبر تھے۔ اور باوجود اس کے گنہگاروں کے بدلے معذب ہوئے۔ اللہ و رسول اس سے بری ہیں کہ مسلمانوں کو ان لغو اور بیہودہ باتوں پر ایمان لانے کا حکم دیں۔ بلکہ اللہ و رسول نے ان کتابوں کی بہت سی باتوں کو رد کر دیا ہے اور ان کو کفر و ضلالت قرار دیا ہے۔ مزید تفصیل و تشریح میں طوالت ہے اس لئے مندرجہ بالا اجمال ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

<u>خلاصہ</u> — ان مضامین سے یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی ہو گی۔ کہ مسلمانوں نے جتنا احترام انبیاء سابقین اور کتب منزل من اللہ کا کیا ہے۔ اتنا خود ان لوگوں سے بھی نہ ہو سکا۔ جو ان انبیاء کی امت میں اپنے کو شامل کرتے ہیں۔

محققین اہل کتاب نے جو کچھ اپنی تحقیقات سے ان کتابوں کی بابت لکھا ہے اس کی ایک مختصر سی جھلک مضامین سابقہ میں دکھلائی گئی ہے۔ اس سے ہر صحیح الدماغ شخص ان ہی نتائج پر آسکتا ہے کہ ان محققین کی تحقیقات کے بموجب :-

(۱) موجودہ توریت وانجیل از اوّل تا بہ آخر بالکل قابل اعتبار نہیں۔

(۲) ان کے مصنفین ومؤلفین کا کچھ ٹھیک نہیں اور زمانۂ تصنیف وتالیف کی بھی کوئی صحیح تعین نہیں۔

(۳) ان مصنفین ومؤلفین کی اصلی عبارتیں بھی محفوظ نہیں رہیں۔

(۴) ان کتابوں پر اغیار کے بھی حملے ہوتے رہے ہیں اور "احباب" کے بھی جن کی وجہ سے اصلی اور ابتدائی نسخے مفقود ہو چکے ہیں۔ اور اب جو قدیم نقلیں پائی جاتی ہیں ان کے چھٹی یا ساتویں صدی عیسوی سے قدیم تر ہونے پر علمائے عیسائی بھی متفق نہیں۔ پھر یہ نسخے بھی باہم مختلف ہیں اور اختلافات کی تعداد بقول اہل کتاب ہی کے لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ یہ سب قرأت یا کتابت ہی کے اختلاف نہیں بلکہ اہم اور اصولی امور میں بھی شدید اختلافات واقع ہو گئے ہیں۔ جن کا دور کرنا اصلی نسخوں کے فقدان کی وجہ سے اب محال ہے ان اختلافات نے ان بنیادی اصولوں ہی کو بدل ڈالا جن پر اصولاً مذاہب حقہ کی بنیاد ہوا کرتی ہے

(۵) آج کل ان کتابوں کے ترجموں ہی سے سابقہ رہتا ہے اور ان ترجموں میں بھی بکثرت غلطیاں ہیں جن کی اصلاح اب بوجہ اصل کے ضائع ہو جانے کے ناممکن ہو گئی ہے۔

(۶) ان جملہ تغیرات کی بناء پر موجودہ توریت وانجیل کو وہ توریت وانجیل نہیں کہہ سکتے۔ جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائیں۔

باوجود ان تمام خرابیوں کے جن کے اعتراف پر علمائے اہل کتاب مجبور ہیں مسلمان علماء اس درجہ

احتیاط سے کام لے رہے ہیں کہ وہ متفقہ طور پر یہ کہتے چلے آرہے ہیں کہ :-

(۱) توریت و انجیل کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہما السلام پر جو اللہ کے پیغمبر تھے نازل فرمایا۔

(۲) موجودہ توریت و انجیل میں جتنا حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس پر ہم ایمان لاتے ہیں اور اس کا سچا ہونا ہم تسلیم کرتے ہیں۔

(۳) ان میں جو کچھ قرآن و حدیث کے خلاف ہے ان کو بشہادت قرآن و حدیث ہم الحاقی سمجھتے ہیں۔ اور جن عبارتوں سے اللہ تعالیٰ کی توہین لازم آتی ہے یا انبیا علیہم السلام کی بے احترامی پائی جاتی ہے۔ یا ادیان حقہ کے بنیادی اصولوں میں تبدیلی واقع ہوجاتی ہے۔ ان کو ہم توریت و انجیل سے خارج سمجھتے ہیں۔

(۴) ان کتابوں کی وہ باتیں جن پر قرآن و حدیث ساکت ہیں ہمارے لئے بھی سکوت کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اس لئے ہم ان کی نہ تصدیق کرتے ہیں نہ تکذیب۔

گویا عیسائی تحقیقات پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ ہماری کتابوں کی ایک بات بھی نہ مانو مگر اسلامی حق پسندی کہتی ہے کہ نہیں۔ ایسا نہ ہوگا۔ ان کتابوں میں جو باتیں قابل قبول ہیں انہیں ہم قبول کرتے ہیں اور جو باتیں قابل قبول نہیں ان سے ہم کنارہ کرتے ہیں۔

Muhamad Usman

Muhamad Usman Jahan

Hamid

سلسلۂ مطبوعات اقبال اکیڈمی

ہمارے ہندوستانی مسلمان - ولیم ہنٹر، آئی - سی - ایس	۲/۱۲/۰
اقبال پر ایک نظر - مرتبہ سید محمد شاہ ایم - اے	۲/۱۲/-
تعلیمات اقبال - پروفیسر سلیم چشتی، بی - اے	۱/۸/-
شرح اسرار خودی پروفیسر سلیم چشتی بی اے	۱/۴/۰
اقبال اور پیام حریت - پروفیسر سلیم چشتی بی - اے	۰/۸/-
اسلامی پارٹی کا آئین - مولانا عزیز ہندی	۱/۸/-
ہیگل کا فلسفہ - مولانا عزیز ہندی	۰/۴/-
اقبال کا تصور زمان و مکان - ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی ایم - اے	۰/۱۰/-
موت و حیات اقبال کے کلام میں - ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی	۰/۸/-
تعلیم کا مسئلہ - ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی ایم - اے - پی - ایچ - ڈی ..	۱/۴/-
اقبال کے چند جواہر ریزے - خواجہ عبدالحمید ایم - اے	۱/۴/-
اشتراکیت اور اسلام - مولوی محمد مظہر الدین صدیقی بی - اے	۰/۶/۰
محمد عبدہ، از چارلس ایڈمز مترجمہ مولوی مظہر الدین صدیقی ..	۱/۰/۰
علمائے کرام کا مستقبل - مولوی محمد مظہر الدین صدیقی	۰/۳/-
حقیقت نفاق - مولانا صدر الدین اصلاحی	۰/۶/-
افادات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مولانا صدر الدین اصلاحی	۱/۲/-
معرکہ اسلام و جاہلیت از مولانا صدر الدین اصلاحی	۱/۸/-
دربار رسول کے فیصلے مترجمہ ابوالعرفان حکیم عبدالرشید	۲/-/-
اقبال کا تصور خودی - ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے - پی، ایچ ڈی	۰/۶/-
المنبہات (عربی) حافظ ابن الحجر العسقلانی	۱/-/-
القول الجمیل (عربی) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی -	۱/۸/-
قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں از مولانا مودودی صاحب	۱/۸/-
اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر "	۱/۰/-
انتخاب غالب از غالب	۰/۹/-
روح اقبال - از پروفیسر یوسف حسین خاں ایم اے - پی، ایچ ڈی -	۵/۱۲/-
فکر اقبال مجموعہ مضامین ۳/۱۲ - آثار اقبال ۴/- - فلسفۂ عجم از ڈاکٹر محمد اقبال ۲/-	۳/۲/-

پتہ: اقبال اکیڈمی - ۵۴ (الف) سرکلر روڈ بیرون موچی دروازہ لاہور -

علامہ اقبالؒ کا کلام

بانگ درا مجلّد	[illegible]
بال جبریل مجلد	[illegible]
ضرب کلیم مجلّد - -	[illegible]
ارمغان حجاز مجلّد	[illegible]
پیام مشرق	[illegible]
مثنوی اسرار و رموز	[illegible]
زبور عجم	[illegible]
فلسفہ عجم	[illegible]
چھ لیکچر (انگریزی)	[illegible]

پتہ

اقبال اکیڈمی

۵۴ الف سرکلر روڈ۔ بیرون موچی دروازہ لاہور

علمائے کرام کا مستقبل۔ علمائکو کیا کرنا چاہئے اور وہ کیا کر رہے ہیں ۸ر
از
مولانا محمد مظہر الدین صدیقی بی اے

اشتراکیت اور اسلام۔ (ایک دلنشین موازنہ) " " " ۔ ۸ر

انتخاب غالب۔ غالب مرحوم کا اپنا انتخاب۔ ۶ر

باغی مسلمان یا ہمارے ہندستانی مسلمان (سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل شہید کی تحریک مجاہدین کے بالکل صحیح اور سبق آموز حالات۔ انگریزی سے اردو ترجمہ از ڈاکٹر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر ایل ایل ڈی آئی سی ایس بنگال) ۱۲ر

المنبہات (عربی کی مشہور کتاب جو نصائح و حکم کا ایک نادر مجموعہ ہے اور عربی پڑھنے والے بچوں کیلئے بالخصوص طبع کی گئی ہے شیخ ابن الحجر عسقلانی شارح بخاری شریف) ۴ر

اسلامی پارٹی کا آئین (مسلمانوں کی تنظیم نو کن خطوط پر ہونی چاہیئے۔ از مولانا عزیز ہندی) ۸ر

ہیگل کا فلسفہ (فلسفۂ اضداد کی تشریح) ۔ از مولانا عزیز ہندی۔ ۴ر

ہندوستان کے مسلمان کا نصب کیا ہے۔ " " " ۔ ۴ر

القول الجمیل (عربی) ۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ ۴ر

تقویۃ الایمان (اردو) ۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید۔ ۸ر

جعفر منصور (خلیفہ جعفر منصور عباسی کے حالات) ۔ ابوالقاسم رفیق دلاوری۔ ۸ر

سلسلۂ مطبوعات اقبال اکیڈمی


